کبھی دلچسپی نہین لی، اس بناپر ایک ندوی عالم کی اس ہمت کی جو اسلاف کرام کی محنتون کو یاد دلاتی ہو قوم و ملک کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے، طرزِ بیان صاف، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸ر، مصنف سے ملیگی،

الحق الصریح مع جماعة التہجد والتراویح، یہ مختصر رسالہ پانچ فقہی سوالون کا جواب ہے جنکا ماحصل منشا یہ ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام مین بھی رات کی نماز نفل یا تہجد کو جماعت کیساتھ ادا کر سکتے ہین؛ یا نہین، ہمارے قدیم دوست مولٰنا مفتی ابوالطاہر ظہور احمد صاحب حال مدرس مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ نے شرح و بسط کے ساتھ تمام معتبر کتب حدیث و فقہ کے حوالون سے انکا جواب دیا ہے، اور اس کا جواز ثابت کیا ہے، ایک خالص فقہی مسئلہ کی تحریر و توضیح مین جس مین قدم قدم پر فقہ کی عربی عبارتین ہین، مولف نے زبان کی سلاست اور روانی مین کوئی فرق نہین آنے دیا ہے، مقدمات کی ترتیب اور استنباط او نتیجون کے نکالنے مین اچھا سلیقۂ تحریر دکھایا ہے، کتابون اور حوالون کے پیش کرنے مین دور تک نظر ڈالی ہے، ہم اپنے دوست کو یقین دلاتے ہین کہ اگر دارالعلوم ندوہ کی متوسطات کی تعلیم انکی رہبر نہوتی، تو کم از کم اس سلیقۂ تحریر کے بجائے، مولویانہ طرز بیان کی ژولیدگی ان کے حصہ مین ہوتی، جہان تک مسئلہ کا تعلق ہے، انکی تحقیق نے ہر شق کو آئینہ کر دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل مین انکے حنفیانہ غلو کا ہم بآسانی ساتھ نہ دیسکین، قیمت ۳ر، رسالہ مصنف سے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے پتہ سے ملے گا،

نور البصر فی الکبریت الاحمر، کبریت احمر کسی درود کا نام ہے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی طرف منسوب ہے، اس کی یہ اردو مین شرح علامہ ابوالبرکات محمد عبدالمالک صاحب سابق منشیر بہاول پور نے تصنیف فرمائی ہے، ہمارے شیرال صاحب کو یہ گنج بے بہا کشمیر کی ایک خانقاہ سے ہاتھ لگا ہے اور جسکو انھون نے اپنی فیضی کی بناپر وقف عام کیا ہے، اس درود کی زبان اور ترکیب و بیان کی بناپر ہم ہرگز تیار نہین کہ اس کو شیخ کی طرف منسوب کرین شرح کے اثنا مین قصیدہ غوثیہ کے اشعار بھی لائے گئے ہین جو عوام مین شیخ کیطرف منسوب ہین، صفحہ لکھا و چھاپہ جلی ہے، قیمت ۳ر دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین پنجاب،

مجلد شانزدہم | ماہ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۵ء | عدد دوم

مضامین

شذرات

دار العلوم ندوہ کے تعلیم یافتہ علماء مین مولانا مفتی **محمد یوسف** صاحب بہاری ایک لائق فاضل تھے
افسوس کہ انھون نے ۵ اگست ۲۵ء کو بعارضۂ فالج لکھنؤ مین انتقال کیا، وہ ندوی علماء مین فنون ادب عربی
مین کامل دستگاہ رکھتے تھے، فراغت کے بعد اپنی زندگی دار العلوم پر وقف کردی تھی، اور اس وقت وہان وہ ادب
اول کے عہدہ پر ممتاز تھے، باوجود اس کے کہ ان کو دوسری جگہ بیش قرار تنخواہین ملتی تھین تاہم انھون نے
جس خلوص اور ایثار سے تقریباً دس برس مدرسہ کی خدمت کی وہ تعریف وستائش کی مستحق ہے، وہ نہایت
خاموشی کے ساتھ اپنے خدمات ادا کر رہے تھے، عربی رسائل مین اون کے مضامین شائع ہوتے تھے، عربی
خوان طلبہ کی سہولت کے لیے شبلی بکڈپو کے نام مصری مطبوعات کی بہم رسانی کا کام بھی انجام دیتے تھے، افسوس
کہ انکی جوانامرگی نے ہماری صف مین ایک ماتم برپا کردیا، اور مدرسہ نے اپنے ایک لائق فرزند کے ساتھ
ایک فاضل مدرس کو کھو دیا، خدا مرحوم کو جوار رحمت مین جگہ دے، مولوی ابو الحسنات ندوی مرحوم کی وفات
کے بعد ہماری برادری مین یہ دوسرا صبر آزما سانحہ پیش آیا ہے، مسلمانون مین جو قحط رجال ہے اس کو دیکھتے
ہوے، ان نونہالان چمن کی بے وقت پژمردگی کس قدر پُر حسرت ہے،

حسرت ان غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے،

دار الاقامۂ ندوۃ العلماء کی تعمیر کے لیے فراہمی سرمایہ کی جو اپیل ہمنے قوم کے سامنے پیش کی تھی، خدا کا
شکر ہے کہ اس نے دردمندون کو اس سے متاثر کیا، اور باوجود اس کے کہ اب تک صوبون مین کام کرنے
والے پیدا نہین ہوئے ہین، لوگون نے خود اپنی طرف سے پیش قدمی شروع کردی ہے دروازے پر

جو سائل آجاوے، اسکو روٹی کا ٹکڑا تو ہر شخص دیکر ٹالنا چاہتا ہے مگر ایسے سخی داتا کم ملین گے جو خود سائلون
کی تلاش مین گھر سے نکل پڑین، اور انکو ڈھونڈھ کر خیرات دین، اس سلسلہ مین سندھ کے سیٹھ عبد اللہ ہارون
کے ڈھائی سو روپیون کے بعد بلوچستان کے خوست کولری کے مسلمان کارکنون کی ہمت قابل صد ستائش
ہے جنھون نے بلا سوال اس دور دراز علاقہ سے پانچ سو تین روپیے کی رقم خود بخود ہمارے پاس بھیجدی،
اسی طرح ڈیرہ غازی خان سے احسان الحق صاحب ڈسٹرکٹ جج نے صے روپیے بھیجے ہین، شیخ قیصر علی
صاحب ایک بزرگ نے صے رنگون سے بھیجے، خدا ان مخلصین کو جزائے خیر دے،

صوبہ بہار مین مین نے خود دو تین شہرون کا دورہ کیا، بہار شریف، پٹنہ، چھپرا، موتیہاری
بتیا، الحمد للہ کہ ہر جگہ ندوہ کے مداحون اور ہمارے قدردانون کی کافی جماعت ملی، خلافت کی تحریک کے باعث
ہر جگہ چند مخلص خادمان اسلام پیدا ہو گئے ہین، جو ہر مفید مذہبی و قومی تحریک کو کامیاب بنانا اپنا فرض جانتے
ہین، ان افراد سے ہر جگہ ہمکو گرانقدر مدد ملی، اس سفر کا نتیجہ ۵ ہزار سرمایہ کی فراہمی ہے، جن مین سے دو ہزار
نقد وصول ہو چکے ہین، بقیہ رقم بھی انشاء اللہ جلد وصول ہو گی، چونکہ میرا عزم ایک علمی و دینی خدمت
کی غرض سے ستمبر و اکتوبر مین مدراس کے قیام کا ہے، اسلیے یہ دورہ بالفعل ملتوی کردیا ہے، جاڑون
مین عنقریب صوبہ بہار کا بقیہ دورہ انشاء اللہ ختم ہوگا، امید ہے کہ دردمند اصحاب اوس وقت ہماری مدد سے
دریغ نہ فرمائین گے، کہ یہ مدد ہماری نہین بلکہ خود اونکی آپ مدد ہے،

احاطۂ بمبئی مین ہمارے دوست مولنا **مسعود علی** صاحب ندوی، مولنا **شوکت علی** صاحب
کی معیت و رفاقت مین دار العلوم کے لیے فراہمی سرمایہ کا کام انجام دے رہے ہین، یہ دونون قوم کے
مشہور **بھکاری** ہین، دوران تحریک خلافت مین کبھی ان دونون نے ملکر یکجا وصولی چندہ کا کام

نہین کیا، اور دونون اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے مرتبہ اور منصب کے مطابق کامیاب رہے اب جبکہ اس موقع پر یہ دونون مشہور قومی سائل ایک صف اور دوش بدوش ہو کر قوم پر حملہ آور ہون تو خدا لمبیئی کے دولتمند مسلمانون کے اہنی صندوقون کو امان مین رکھے، ہمکو امید ہے کہ احاطہ بمبئی مین وہ انہزار کی خفیف رقم جو وہان کا ایک ادنی مسلمان سوداگر اپنی طرف سے ادا کر سکتا ہے، اسکی فراہمی مین وہان کچھ زیادہ دقت پیش نہین آئے گی،

مسلمان حیلہ جو جو چندون کے بھرمار کے شاکی ہین لیکن ذرا اپنے ہمسایون اور ہموطنون کی طرف ایک نظر ڈال لین، وہ کونسا کام ہے جس پر مسلمان خرچ کر رہے ہین، اور اسی قسم کے کامون پر وہ ان سے زیادہ نہین خرچ کر رہے ہین، انکی یونیورسٹی ہے، تو ادنکی بھی ہے، آپ کے ایک کالج ہین تو اُنکے دس پانچ ہین، آپ کے چند اسکول ہین، تو ان کے بیسیون ہین، آپ کے صدہا مذہبی مدرسے ہین تو ان کے بھی سینکڑون پاٹ شالے اور گروکل ہین، انکی تبلیغی انجمنین ہین، تو انکی بھی شدھی سبھائین ہین، اس کے علاوہ گئو رکھشا، عقد بیوگان سیوا سمتی، ہندی سمیلن وغیرہ بیسیون ایسی انجمنین ہین، جنکے ماہوار و سالانہ اخراجات ہندو قوم پورے کر رہی ہے، گروکل مین ایک ایک سال کا چندہ ایک ایک لاکھ ہو گیا ہے، کیا کسی اسلامی مذہبی مدرسہ کو یہ دن نصیب ہوا ہے، ہندی سمیلن کے متعلق سنا ہے کہ چار پانچہزار ماہوار اسکا خرچ ہے کیا انجمن ترقی اردو اور دار المصنفین کو اس گرانقدر قسم کا تخیل بھی ہو سکتا ہے، بنارس کے صرف ایک دولتمند ہندو نے دس لاکھ کی رقم اس کے لیے علیحدہ کر دی ہے، ہمارا جامعہ ملیہ کوڑیون کو محتاج ہے، مگر ودیا پیٹھ بنارس صرف ایک ہندو رئیس کی فیاضی اسکی بقا کی ضمانت کر رہی ہے،

کہتے ہین کہ مسلمان اپنے اسلاف کی قدر دانی مین سب سے آگے ہین، مگر اس کا عملی ثبوت کیا ہے؟ سر سید کی یادگار مین کے لاکھ وصول ہوئے، اور کتنے سال مین ہوئے، محسن الملک، وقار الملک، حالی،

شبلی کی یادگارون کے لیے قوم نے کام کرنے والون کی اپیلون کا کیا جواب دیا؟ مگر ادھر دیکھو داس کو مرے ہوئے دو مہینے بھی نہین گذرے، مگر انکی یادگار کے دس لاکھ روپئے کے مطالبہ مین سے سات لاکھ اس عرصہ مین جمع ہو چکے،

چندون اور قومی سرمایون مین تصرف کا اعتراض اکثر اٹھایا جاتا ہے، عارضی اور ہنگامی اور عمومی غیر ذمہ دارانہ کامون مین یقیناً یہ بے احتیاطیان ہوئی ہین، ہوتی ہین اور ہونگی، اور اس مین ہندو مسلمان دونون یکسان ہین، مگر ایک کا ظرف یہ ہو کہ اخبارات، قومی مجلسون اور انجمنون مین بھی ادنکے تذکرے نہین آنے دیتے، دوسرے کا حال یہ ہے کہ واقعہ کسی قدر اتفاقی ہو، مگر اسکی تشہیر گھر گھر اور در در کیجاتی ہے، اور اس طرح بیسیون قومی کامون کو صدمہ پہنچ رہا ہے، ہماری مذہبی، قومی تعلیمی انجمنین اور درسگاہین جو سالہا سال سے کام کر رہی ہین بحمد للہ کہ اس خردہ گیری سے پاک ہین، لیکن بانہمہ اُن کی ایمانداری کی قدر نہین کیجاتی،

دوسرا جواب اس موقع پر یہ دیا جاتا ہو کہ مسلمانون کی قوم غریب ہو، ہم اس کو تسلیم کرتے ہین مگر اے کاش انکی اس غربت کا اظہار انکی غم و مسرت کی تقریبون پر بھی ہوتا، شادی بیاہ کے موقعون پر بھی ہوتا، روزانہ زندگی کے مصارف مین بھی ہوتا، رہنے سہنے کے اخراجات مین بھی ہوتا، اس کو چھوڑ کر جو نسبت دونون قومونکی تمولکی ہے، وہی نسبت قومونکے دولتمندونکے چندون اور عطیون مین ہوتی، فرض کرو کہ نئی سیاسی اور اسلامی تحریکین جن سے ہمارے دولتمند امرا گھبراتے ہین، اگر وہ ان کے نزدیک خطرناک ہین تو تعلیم، تبلیغ، اشاعت تعلیم کے مقاصد تو ایسے خطرناک نہین، اگر گورنمنٹ کے گوشۂ التفات کا خیال ہے تو جامعہ ملیہ نہی، مسلم یونیورسٹی تو مستغنی و بے نیاز ہو جاتی مگر یہان تو دونون کو برابر کا شکوہ ہو،

مسلمانون کو اگر ہندوؤن کا مقابلہ کرنا ہے اور کرنا چاہیئے، اور کرنا پڑیگا، تو وہ شور و غل، گالی گلوج، مارپیٹ، دنگا فساد، لعن طعن، زور ظلم اور زبردستی مین نہین کہ ان سے قوم نہین بنتی، بلکہ متانت، سنجیدگی، وقار، خاموش کام، پرسکون عمل، صبر و استقلال، قومی فیاضی، قومی خصائل کی حفاظت، قومی کامونکی سچائی اور ذاتی کفایت شعاری، اخلاص کے ساتھ مدد سچے قومی و مذہبی خادمون کی عزت و احترام اور ان کے آواز پر جلد از جلد مستعدی مین، کہ ان سے قوم بنتی ہے،

آج ٹھنڈے دل سے سوچکر بتاؤ کہ مسلمانون مین کوئی ایک ایسا مرکز ہے، جسکی پکار پر مسلمانون کا سواد اعظم لبیک کہنے کو تیار ہو، پہلے علیگڈھ کا بتخانہ تھا، وہ ٹوٹا تو خیال ہوا کہ اب اسکی جگہ ایک متحدہ قبلہ تیار ہوگا، کچھ دنون تک یہ امید قائم رہی، مگر پردہ اٹھا تو نظر آیا کہ اب ایک بتخانہ کی جگہ سینکڑون بتخانے ایک خود مختار شہنشاہی کی جگہ بیسیون طوائف الملوکیان، الگ الگ پیدا ہوگئی ہین، ان کو جس قدر مٹانے کی کوشش کیجاتی ہے اتنا ہی افتراق اور پیدا ہو جاتا ہے، "آل پارٹیز کانفرنس" سے امید اتفاق کی تھی تو وہ نفاق کی صورت بنگئی، جمعیۃ العلما الگ ہوگئی اور مجلس خلافت ناطرفدار بنگئی، جمعیۃ تنظیم نام ایک اور عالمگیر انجمن وجود پذیر ہوگئی، کیا عالمگیر مذہب کے ماننے والون کو عالمگیری کے سوا اور دوسرا کوئی خواب دکھائی نہین دیتا، اور ان کا کوئی کام اس سے کم مرتبہ سے شروع نہین ہوسکتا، ابھی ہماری انجمنون کا وجود بھی نہین ہوتا کہ وہ سارے عالم کو اپنے اندر گھیر لینا چاہتی ہین، اور سعدی کے مشہور مقولہ کی بناپر "دو بادشاہے در اقلیمے نگنجند" فوراً کامون اور کام کرنے والون مین تصادم شروع ہوجاتا ہے، ورنہ اگر اپنی اپنی حد کے اندر لوگ کام کرین تو "دہ درویشے بگلیمے بخسپند" - و السلام و مسلمانان بیاسائند،

دائرۃ المعارف حیدرآباد سے علمی حلقون کے لیے ایک دل خوش کن بشارت کی اطلاع ملی ہے یعنی یہ کہ امام رازی کی سب سے اہم فلسفیانہ تصنیف **مباحث مشرقیہ** کی جلد اول چھپکر تیار ہوگئی، مصنف نے تو ایک ہی جلد مین کتاب لکھی ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ نے ضخامت کے خیال سے دو حصون مین منقسم کر دیا ہے، یہ کتاب جب پوری چھپ جائے تو ہم عربی مدارس سے توقع کرینگے کہ وہ متاخرین ہند کی عقلی تصنیفات و تعلیقات کے بجائے اس کو اپنے نصاب تعلیم مین داخل کرینگے،

یاد ہوگا کہ **ندوۃ العلما** کی تجویز کے مطابق، مولانا **شبلی** مرحوم کی تحریک سے جناب نواب عماد الملک بلگرامی نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شروع کیا تھا، ادوھر مولانا کا انتقال ہوگیا، اور ادھر سالہا سال سے نواب صاحب ممدوح کی صحت جواب دے چکی ہے، اس لیے یہ کام رک گیا، ہم کو یہ خیال آیا کہ اس کام کو پھر اٹھایا جائے، مترجم ممدوح نے، پارۂ دن تک کا ترجمہ کیا ہے، سورہ نحل تک مبیضہ مکمل ہے، ترجمہ کی انگریزی زبان کا کیا کہنا، مگر ضرورت ہے کہ لائق انگریزی دان علما، اس کی معنوی صحت و سقم کو دیکھ لین، پھر مشورہ طلب یہ امر ہے کہ یہ سادہ ترجمہ ہے، آیا اس کو اسی طرح چھاپا جائے یا اس مین حواشی کا اضافہ کیا جائے، موصوف نے ازراہ عنایت اپنا مبیضہ ہماری طلب پر ہمکو بھیجدیا ہے،

سچ کے نام سے جو ہفتہ وار اصلاحی صحیفہ لکھنو سے نکل رہا ہے اور جس نے تھوڑی ہی مدت مین اپنی سچائی، اعتدال، ناطرفداری، سچی مذہبی اسپرٹ کی بدولت خواص مین غیر معمولی ہردلعزیزی حاصل کرلی ہے اور جس مین زیادہ تر ہمارے فاضل دوست مولوی عبدالماجد صاحب بی اے اور مولنا عبدالرحمن صاحب نگرامی ندوی اپنے فاضلانہ خیالات سیدھی سادھی عبارت مین ادا کیا کرتے ہین اور مسلمانون کو اعتدال کے ساتھ مصلحانہ خیالات سے آشنا کیا کرتے ہین، اس لائق ہے کہ مسلمان اس صحیفہ کی پوری قدر کرین، اور خریداری سے اسکی حوصلہ افزائی کرین، اسکی سالانہ قیمت تین روپیہ ہے؛

مقالات

عالم اسلامی کی تنظیم کا مسئلہ
اور
مسلمانون کا انتشار خیال،

مسلمانون کے روز افزون انحطاط، پراگندگی، اور انتشار کا سلسلہ صدیون سے قائم تھا، مگر چونکہ دولتِ عثمانیہ کا سایہ بہت حد تک دنیا کے مسلمانون کی تشفی کا باعث تھا، اور خالص اسلامی ممالک ایک زنجیر مین گو وہ کسی قدر کمزور ہو وابستہ نظر آتے تھے، اسلیے عام مسلمانون کو اپنی اس کمزوری اور ضعف کا احساس نہ تھا اور وہ اپنے کو ایک رشتہ مین منسلک سمجھتے تھے، اس جنگ عظیم کی بدولت اس سایہ کا ہٹنا اور اس زنجیر کا ٹوٹنا تھا کہ اس فریب کی حقیقت واضح ہو گئی، اور معلوم ہو گیا کہ مسلمان ایک بڑے دھوکے مین مبتلا تھے، ترکی کے انقلاب اور جمہوریت کے قیام اور نفلی خلافت کے عزل نے اس دھوکے کا دھوکا ہونا اس طرح آشکارا کر دیا کہ کسی سمجھدار مسلمان کو اس مین شک نہین رہا،

اب روئے زمین کے کسی مسلمان کو اس امر مین کوئی شک نہین ہے کہ مسلمانون کی شیرازہ بندی کا قصہ خواب و خیال ہے اور انکی باہمی وابستگی، ہم رشتگی، اور جامعیت کا وجود سراب سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے اسی کے ساتھ اس کا بھی سب کو یقین ہے کہ اسلام کی فطرت مقتضی ہے کہ اس رشتہ کا وجود قائم اور اسلامی برادری و اخوت کی شیرازہ بندی باقی رہے، مذہبی ہدایتون کے علاوہ

دنیاوی سیاستون اور مصلحتون کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مسلمان قومون کو بحیثیت مسلمان کے دنیا کی قومون کے سامنے زندہ اور باقی رہنے کے لیے، مسلمانون کا متحدہ محاذ اور انکی برادرانہ جمعیت قائم رہے،

اسلام کا اصول اس کا بھی مقتضی ہے کہ تمام دنیائے اسلام مین مسلمانون کا ایک مذہبی پیشوا اور امام ہو، اس کا واحد وجود تمام دنیا کی مسلمان قومون کے لیے رشتۂ اتحاد اور رابطۂ وحدت کا کام دے، اور مذہبی شعائر و احکام کی نگہداشت اور اجراء کا فرض انجام دے، اس کا نام خواہ تم خلیفہ رکھو امام رکھو، یا امیر المومنین رکھو،

اس حقیقت سے کون بخبر انکار کر سکتا ہے کہ یہ خلافت و امامت اپنے اصلی منہاج اور شرائط و آداب سے بہت جلد ہٹ گئی، تاہم بغداد کی تباہی تک کچھ نہ کچھ اسکی حیثیت تھی، اور قاہرہ مین جاکر اسکی حیثیت گو خود دار الخلافہ مین کچھ نہ رہی، تاہم دور دراز کے اسلامی ملکون مین خلیفۂ عباسی کی یہ مصری خانقاہ بھی عقیدت عامہ کا مرکز تھی، ان گذشتہ چند صدیون مین جب دولتِ عثمانیہ کے سوا کوئی آزاد اسلامی حکومت باقی نہین رہی تو لامحالہ یہ عقیدت کی کشش، قاہرہ سے قسطنطنیہ کو منتقل ہو گئی، کون نہین جانتا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو مذہب اور سلطنت ساتھ ساتھ بنا، اس کا امام ہی اسکا بادشاہ تھا، اسکی ایک ہی عبادتگاہ کی چہار دیواری اسکی مسجد بھی تھی اور اسکی عدالتگاہ اور دربار بھی، اسکی ایک ہی چند زینون کی لکڑی اسکا منبر بھی تھا اور تخت حکومت بھی، اور اس کے وہی جان نثار اس کے داعی اور مبلغ بھی تھے، اور مجاہد اور سپاہی بھی اس کے وہی عہدہ دار حکام اور امرا بھی تھے، اور قاضی، اور امام بھی، اس دینی اور دنیوی اقتدار و تنظیم کی وحدت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانون کی دینی و دنیوی تنظیم کے الگ الگ عہدے اور دائرے نہ تھے اس بنا پر یہ بالکل ظاہر ہے کہ مسلمانون کی مذہبی تنظیم، انکی سیاسی تنظیم سے الگ کوئی شی نہ تھی، ایسی حالت مین مسلمانون کی سیاسی تباہی انکی مذہبی بے ترتیبی کے ہم معنی ہے، جب کسی ملک مین مسلمانون کی سلطنت نہ رہی، انکی ہر قسم کی تنظیم بھی رخصت ہو گئی نہ کوئی ان کا امام رہا نہ کوئی مذہبی صیغہ رہا، نہ اوقاف کا انتظام رہا، نہ مسجدون کی نگرانی رہی نہ مدرسون کی دیکھ بھال رہی، نہ تبلیغ و اشاعت کا سامان

رہا، نہ مسلمانون کے مذہبی مقدمات اور فیصلون کی کوئی صورت رہی، نسل آدم اور اولاد ابراہیم کی یہ منظم باقاعدہ جماعت جانورون کے گلے بن گئی،

جن ملکون مین ابھی یا بری اسلامی حکومتین قائم ہین، یورپ کے دیکھا دیکھی وہان کے ذمہ دار ارکان سیاست اور ارباب فکر مین یہ خیال قائم ہوتا جاتا ہے کہ دینی و دنیاوی طاقتون کی یکجائی، اور مذہبی و سیاسی تنظیمون کی وحدت اونکی ترقی کی راہ مین حائل ہے، یہی خیال ہے جس نے ٹرکی کے مجاہد اعظم مصطفےٰ کمال اور ان کے رفقائے کار کو عزل خلافت پر آمادہ کر دیا، اور اسی کی نقل اور آواز بازگشت دوسرے اسلامی ملکون مین بھی سنائی دیتی ہے،

یورپ کو جب سے ہوش آیا ہے، اور سمجھا ہے کہ **اتحاد اسلامی** ہی کی قوت ہے جو اسکی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے، مسلمانون کو بغاوت پر آمادہ کر سکتی ہے، اور ان کو دوبارہ مضبوط اور زندہ بنا سکتی ہے، اور اس اتحاد اسلامی کی بنیاد **خلافت** کا وجود ہے، مختلف طریقون سے اسکی قوت کو توڑنے کی کوششین کیجا رہی ہین، یورپ کے تیغ زن سپاہیون نے اپنی تلوارون سے اور مصنفین نے اپنے قلم سے اس کے مٹانے کی پوری کوشش کی، یونان و روم کی جنگ پہلا موقع ہے، جب یورپین طاقتون کی متفقہ خواہش کے خلاف دنیائے اسلام مین خلیفۂ عثمانی کی ہمدردی و مالی اعانت کے غیر معمولی جذبات نے یورپ کے کانون مین خطرہ کی گھنٹی بجا کر اسکو متنبہ کیا،

بعض یورپین اہل قلم نے یہ کیا کہ خلافت اسلامیہ کو اصول اسلام کی حیثیت سے تو تسلیم کر لیا، مگر مجدد اسلام بنکر انھون نے پوری قوت کے ساتھ مسلمانون کو اونکی ایک عظیم الشان غلطی پر متنبہ کیا، کہ الائمۃ من قریش، ترک اس کے مستحق نہین، ان کو مٹا کر مکہ معظمہ کی چہار دیواری مین عربی ہاشمی خلافت قائم کرو، اس جماعت کے سرگروہ مشہور مجدد اسلام بلنٹ تھے، دوسرون نے ترکون کے شرعی خلیفہ ہونے سے بحیثیت مفتی اسلام کے انکار کیا، یہ سب کچھ ہو رہا تھا، اور ہم کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے،

اس جنگ عظیم مین منصب خلافت کی اہمیت کم کرنے بلکہ اس کے مٹا دینے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آئی، وفد خلافت کی حیثیت سے جس ہفتہ ہم انگلستان پہنچے ہین، سب سے پہلے ایک اطالین مستشرق کا جو روم یونیورسٹی مین تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے، رسالہ "دی نیچر آف دی خلافت" کا انگریزی خلاصہ نظر سے گذرا اور جسکو اٹلی کی حکومت مین یہ اہتمام حاصل تھا کہ اٹلی کی وزارت خارجہ نے اوسکو اپنی طرف سے شائع کیا، اور اس کے بعد "سلطان ایز اے خلیفہ" کا دوسرا رسالہ یا مضمون ایک انگریزی اہل قلم نے لکھا، اسکے بعد تیسرا مضمون پروفیسر مارگیولیتھ نے ادنبرر در لندن مین مسئلۂ خلافت کی تاریخی کمزوری پر لکھا،

ہندوستان مین خلافت کی تحریک نے جو زور شور اور ہلچل پیدا کی، اسکی سیاسی اہمیت نے یورپ کو اور زیادہ ڈرا دیا، تلوار کا وقت نکل چکا تھا، اس لیے سپاہیون نے ہٹکر اہل قلم حضرات کے لیے جگہ خالی کردی اور انھون نے اس وقت سے برابر مسئلۂ خلافت کی تحقیق و کاوش، اسکی شکست و ریخت، یورپ سے متاثر دماغون مین اسکی مذہبی نامعتبری، تاریخی کم اہمیتی اور اس کے سیاسی نقصانات، اور تمدنی خرابیان اس طرح آشکارا کین کہ خود مسلمانون مین سے ان بعض افراد کو اس کا یقین آنے لگا جو یورپ کے مصنفین کو بنہایت معصوم، مخلصانہ اور ہر قسم کے سیاسیات سے بلند جانتے ہین،

قاصد رقیب بودہ و من غافل از فریب
بیدرد مدعائے خود اندر میانہ ساخت

نتیجہ یہ ہوا کہ جسکی خلافت کے لیے دنیا لڑ رہی تھی، انھین نے خود اپنے ہاتھ سے اوسکو دفن کر ڈالا، اور اس کو مٹا کر وہ سمجھے کہ انھون نے اپنی قومی حکومت کے سامنے سے سارے عوائق ہٹا دیے، اور تسلیم کر لیا کہ دین و دنیا کا اختلاط اور مذہب و سیاست کی آمیزش اسلاف کی سب سے بڑی غلطی تھی جسکو انھون نے دور کر دیا، اور یہ فعل بعینہ اصول اسلام کے مطابق ہے، ترکون کے اس عمل نے گویا یورپین پروپیگنڈے کو جو مدتون سے خلافت کے متعلق مسلمانون مین جاری تھا، دفعۃً کامیاب کر دیا، اس پر بھی ہمارے

دشمنون کو چین نہین آیا اور اب ترکون کے اس فعل کی تحسین کا پروپگنڈا جاری ہے لندن یونیورسٹی مین مسئلہ خلافت کی تاریخی اسناد پر بحث کرنے کے لیے ہمارے مشہور پروفیسر آرنلڈ کو مقرر کیا گیا، ڈاکٹر آرنلڈ نے اس بحث پر ایک مبسوط لکچر دیا، اور گذشتہ سال ۱۹۲۴ء مین "دی خلافت" کے نام سے دو سو صفحون مین

انھون نے اس مسئلہ کے تاریخی پہلو پر ۱۱ بابون مین مفصل بحث کی،

اس کتاب مین نہایت کاوش اور محنت سے ڈاکٹر آرنلڈ نے اس منصب خلافت کے آغاز سے اور اخیر ترکی عہد تک کے ہر قسم کے واقعات کو یکجا کیا ہے، اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اس منصب کے ضروری اور اصول اسلام مین سے ہونے پر قرآن و حدیث سے کوئی استدلال موجود نہین ہے، نیز تاریخ اسلام بھی اسکی تائید نہین کرتی، نہ خلافت راشدہ کے بعد اس منصب کو مسلمانون نے عملاً تسلیم کیا اور خصوصاً ترک سلاطین تو اس حیثیت سے کبھی مسلم ہوے ہی نہین،

اغیار جو کچھ کر رہے ہین اور کہہ رہے ہین، اس ذکر کو جانے ہی دیجئے، یہ دیکھئے کہ خود اپنون کا اس مسئلہ کے متعلق کیا خیال ہے، اب اصل مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ مسلمانون کی تنظیم اور وحدت کا فرض کس طرح انجام دینا چاہیئے، کہ مسلمانون مین از سر نو طاقت و قوت اور نظام و اتحاد پیدا ہو،

ترکی مین عزل خلافت کے موقع پر جو تقریر کیگئی، اور اسی کے ساتھ ترکی زبان مین مسئلہ خلافت پر جو کتاب "خلافت و حاکمیت ملیہ" لکھوا کر عام طور سے شائع کیگئی، اس مین یہ قرار دیا گیا ہے کہ خلافت کوئی مذہبی اور روحانی منصب نہین، نیز خلافت کے لیے وجود شخصی ضروری نہین، خود حکومت اور مجلس خلافت جمہوری ہے اور اسی سے مسلمانون مین تازہ قوت اور نئی طاقت پیدا ہوگی،

علمائے مصر مین سے سید رشید رضا نے الخلافۃ والامامۃ الکبریٰ ایک خاص کتاب ۱۳۴۱ھ مین لکھکر شائع کی ہے، جس مین انھون نے خلافت اسلامیہ کے آداب، شروط، مصالح اور فوائد بتائے ہین، اور جدید ترکی اور تعلیم یافتہ مسلمانان مصر و ہندوستان کو یہ بتایا ہے کہ خلافت اسلامیہ کو جدید قالب

مین شرع صحیح کے اصلی مقصود کے مطابق از سر نو ملک عرب مین قائم کرنا چاہیئے، اور اسی سے دنیائے اسلام مین نئی زندگی پیدا ہوگی، خلیفہ انتخاب سے منتخب ہو اور اس کے ساتھ ایک مجلس شوریٰ ہو، جسکی اعانت اور شورہ سے وہ تعلیمی، تبلیغی، تشریعی احکام و مصالح تمام اسلامی ملکون مین پھیلائے اور ہر اسلامی ملک مین اس کے باقاعدہ نائبین ہون،

اس مسئلہ کے متعلق حسب ذیل انکی تجاویز ہین،

۱- ایک عظیم الشان اسلامی مذہبی درسگاہ کا قیام جس مین مجتہدین اور مذہبی مقننین پیدا ہون، جو ضروریات زمانہ اور اصول اسلام کے مطابق نئے احکام استنباط کرین، اور اسلام و تمدن مین باہمی آویزش کے بجائے آمیزش پیدا کرین،

۲- خلیفہ کا انتخاب،

۳- خلافت کے انتظامی اور مالی صیغے اور اسکی حسب ذیل ماتحت مجلسین،

ا- مجلس شوریٰ

ب- مجلس افتا و تصنیف و نگرانی مولفات دینی.

ج- مجلس جو حکام، قاضیون، اور مفتیون کو احکام دے،

د- مجلس جو حکومت کی عام نگرانی کرے،

ھ- مجلس اشاعت اسلام،

و- مجلس جو مساجد کے خطیبون، امامون، اور واعظون کی نگرانی کرے،

ز- مجلس زکوٰۃ،

ح- مجلس حجاج و خدمت حرمین شریفین،

ط- مجلس مراسلات،

سید رشید رضا صاحب کا میلان خاطر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک خلیفہ دینی اور دنیاوی اقتدار کے ساتھ عرب مین قائم کیا جائے، جہانتک اس کے حدود حکومت کا تعلق ہے وہ خلافت کے ساتھ دنیاوی حکمران بھی ہو، اور دوسرے اسلامی ممالک مین اس کو صرف روحانی خلیفہ تسلیم کر کے اوسکی اطاعت مذہبی احکام مین کیجائے،

مصر مین ازہری علماء و مشائخ کا بھی یہی خیال ہے، لیکن وہ خلافت کے مرکز کو عرب کی جگہ مصر مین دیکھنا چاہتے ہین، اور عجب نہین کہ ان کے دل کے اندر کی یہ خواہش ہو کہ مصر کی سلطنت پچھلے زمانہ کی طرح پھر شام و عرب پر محیط ہو جائے اور اس طرح مقامات مقدسہ کی حفاظت و حمایت کا شرف بھی مصر کو منتقل ہو جائے، اس تحریک کی تبلیغ اونکی طرف سے تقریباً دو سال سے جاری ہے، تمام سرکاری علما اس مین پوری دلچسپی لے رہے ہین، موتمر خلافت، جامع ازہر کی دفتری عمارت مین قائم ہے، ایک ماہوار رسالہ اس مقصد کی اشاعت کے لیے جاری ہے، اور وہ تمام اسلامی ممالک مین مفت تقسیم ہوتا ہے، اس مصری تبلیغ کا اثر تمام اسلامی ممالک مین سے جاوا مین زیادہ پڑ رہا ہے،

ابھی حال مین مشہور اسلامی مبلغ اور اتحاد اسلامی کے واعظ مولوی برکت اللہ صاحب بھوپالی نے جنھون نے اب مشرق کو چھوڑ کر پھر مغرب کو اپنا مرکز بنایا ہے، خلافت نام ایک کتاب انگریزی زبان مین لکھی ہے جس مین اس مسئلہ پر اپنے خیال کے مطابق ہر حیثیت سے بحث کی ہے، اور اس منصب کے قیام اور فرائض کے متعلق پورا خاکہ اور نقشۂ عمل پیش کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ خلافت اسلام کا نہایت ضروری اصول ہے، لیکن ضرور ہے کہ آیندہ خلیفہ صرف دینی و روحانی امام ہو اور اس کو سیاست و حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو، اس کا کام صرف یہ ہو کہ وہ روئے زمین پر پراگندہ مسلمانون کو ایک تعلیمی نصاب مین منسلک کرے، اور اسلامی مبلغین دنیا کے گوشون مین بھیجے اور جو لوگون کو انسانی اخوت اور دینی برادری کی دعوت دے، اور ایسی تاریخی کتابون کی تصنیف کے لیے ایک مجلس قائم کرے

جن سے اسلامی فرقون کے باہمی اختلافات اور غلط فہمیان دور ہون؛

"اس خلیفہ کے ماتحت، اسلامی جماعتون کے ایسے نمایندون کی ایک مجلس شوری ہو جو اپنی اپنی جماعت کی طرف سے منتخب ہو کر دار الخلافہ مین بھیجے جائین، خلیفہ اس مجلس کا صدر ہو اور یہ مجلس شوری مسلمانون کے مذہبی معاملات اور روحانی ریاست کے احکام انتظامی کے فیصلہ کے لیے آخری عدالت ہو ہر محلہ کی مسجد اوس محلہ کا صدر دفتر ہو، اس محلہ کے صدقات اور اوقاف وغیرہ کا انتظام اوس محلہ کے مسلمانون کی منتخبہ جماعت کے ہاتھ مین ہو، اور یہ محلون کی مجلسین، پورے دیہات یا شہر کی اسلامی مجلس کے ماتحت ہون، ان صدقات و اوقاف کے علاوہ دیگر مالی انتظامات سلطنت کے فرائض ہونگے،

خلیفہ کے انتخاب کے بعد، دنیائے اسلام کے تمام شہرون اور گاؤن کے صدقات اور اوقاف کی آمدنیان خلیفہ کے پاس بھیجی جائینگی، اور وہان سے وہ پھر حسب ضرورت سورہ توبہ کی اوس آیت کے مطابق جس مین صدقات و زکوٰۃ کے مستحقین کی تفصیل ہے وہ رقم خرچ ہوگی،

مولوی برکت اللہ صاحب بالفعل سوئیزرلینڈ مین مقیم ہین، وہان سے اپنے ان مقاصد کی اشاعت اور مسئلہ خلافت کے متعلق اپنی تجاویز کی تبلیغ کے لیے عربی زبان مین الاصلاح نام ایک رسالہ انھون نے ذوالقعدہ [illegible] مطابق جون [illegible] سے شائع کرنا شروع کیا ہے، مولوی صاحب کی کتاب خلافت انگریزی سے فرانسیسی مین ترجمہ ہو چکی ہے، اب عربی اور ترکی مین اس کے ترجمہ کی کوششین ہین، اور تجویز ہے کہ اوسکا ترکی ترجمہ تمام ترکی مین تقسیم کیا جائے، ممکن ہے کہ مولوی برکت اللہ صاحب کے ساتھ سوئیزرلینڈ کے دیگر پرجوش احرار مسلمان بھی ہون جو وہان بے خانمان ہو کر مدت سے مقیم ہین،

ابھی پچھلے مہینہ کی ڈاک سے مصر سے ایک نئی تصنیف، ایک مصنف نے ہدیۃً بھیجی ہے، کتاب کا نام "الاسلام و اصول الحکم" (اسلام اور اصول سلطنت) ہے، جس کے نیچے یہ لکھا ہے کہ "اسلام مین خلافت و حکومت کے نظریہ پر ایک بحث" اس کتاب کے مصنف جامع ازہر کے ایک تعلیم یافتہ اور محکمۂ شرعیہ کے

ایک قاضی شیخ علی عبدالرزاق ہین، ابھی اسی سال ۱۹۲۵ء مین یہ کتاب شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مصنف نے تمام مذکورہ بالا کتابون کو جو مسئلہ خلافت کے متعلق لکھی گئی ہین پیش نظر رکھا ہے، یعنی الخلافۃ والامامۃ العظمی، مصنفہ سید رشید رضا، خلافت وحاکمیت ملیہ تعریب عبدالغنی سنی بک، دی خلافت ڈاکٹر ارنلڈ اور دی خلافت مولوی برکت اللہ بھوپالی،

قاضی صاحب نے بالکل نئی بات پیدا کی ہے، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ "خلافت" یعنی جانشینی رسول کے منصب کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہین بہم پہنچا، اور نہ اس معنی مین خلفائے راشدین خلفاء تھے، اور نہ انکی اطاعت اس حیثیت سے واجب تھی، آنحضرت صلعم کا منصب محض روحانی اور دینی تھا، وہ صرف رسول اور نبی تھے، کوئی حکمران یا فرمانروا نہ تھے، نہ آپ نے کوئی نظام سلطنت قائم کیا اور نہ اسلام کسی اصول سلطنت کا واضع ہے، خلفائے راشدین کوئی دینی منصب نہین رکھتے تھے، بلکہ وہ محض دنیاوی حکمران اور فرمانروا تھے، گو انھون نے اپنے فرائض کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، اس بنا پر خلافت کا تخیل مذہبی اور دینی حیثیت سے تمامتر لغو ہے اور مسلمان اصول سلطنت اور نظام حکومت کے وضع کرنے مین پوری طرح آزاد ہین

قاضی صاحب چونکہ پڑھے لکھے آدمی ہین، اسلئے اپنے دعوٰن کے ثبوت مین قرآن کی آیتون اور احادیث وسیر کے واقعات کی پوری جانچ کی ہے، اور اپنے خلاف ہر قسم کی شہادت کو توڑنے کی خاص کوشش کی ہے، مگر کامیابی معلوم، ان کوششون کا منشا صرف یہ ہو کہ وہ غالباً یہ سمجھتے ہین کہ اگر اسلام کا کوئی اپنا نظام حکومت ثابت ہوجائیگا تو موجودہ طرز حکومت جسکو یورپ نے صدہا تجربون کے بعد قائم کیا ہے اور جو انکے نزدیک ہر قسم کی انسانی سعادتون اور الٰہی برکتون کا مرکز ہے، اُس سے مسلمان ہمیشہ محروم رہ جائینگے،

جو مسلمان قومین ابھی تک پرانے طرز پر شخصی خلافت کی معترف اور خواہان ہین انکا بھی کسی ایک شخصیت پر اتفاق نہین، کچھ پرانے ترک اور سائپرس (قبرص) کے مسلمان وحید الدین کے طرفدار ہین نوجوان ترکون مین جو خلافت کے حامی ہین اور شاید ہندوستان کے بھی بعض رہنما اور عام مسلمان عبدالمجید آفندی

کی امامت کے حامی ہین، علمائے ازہر نے باقاعدہ عبدالمجید کی معزولی کی تصدیق کی اور سلطان فواد شاہ مصر کی امامت کے لیے کوشان ہین، عرب مین دو قوتین ہین، امام یحییٰ کی یمن مین اور سلطان عبدالعزیز کی نجد مین، یہ دونون اپنی اپنی مستقل امامت کے مدعی ہین، امام یحییٰ تو زیدی ہین شاید انکو اہلسنت تسلیم نہ کرین، لیکن اگر سلطان عبدالعزیز حجاز مین کامیاب ہوجائین اور اپنی شدت وعصبیت مین کچھ نرمی اور رواداری پیدا کرین تو شاید اصلاح طلب مسلمانون کا بڑا حصہ انکی امامت کو تسلیم کرلے،

بہرحال گذشتہ تفصیلات سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس وقت امامت اسلامیہ یا مسلمانان عالم کی تنظیم کا مسئلہ تمام ارباب فکر مسلمانون کے سامنے سب سے زیادہ اہم اور قابل غور بن گیا ہے، یہ تمام خیالات تین مختلف صورتون کے اندر محدود ہین

۱- امامت عامہ، اور عالمگیر اسلامی خلافت کی نہ ضرورت ہے اور نہ ممکن ہے،

۲- امامت عامہ اور عالمگیر اسلامی خلافت کو سیاست وحکومت سے الگ کرکے صرف روحانی و مذہبی پیشوائی کی حیثیت سے قائم کرنا چاہیئے، امامت وخلافت کی مسلمان قومون کی تنظیم کے لیے ضرورت ہے، اور اس طرح اس کا قیام ممکن ہے،

۳- عرب مین یا ٹرکی مین ایک با اقتدار شخصی امامت وخلافت مجلس وارکان شوریٰ کی قید اور دینی و دنیاوی دونون طاقتون کیساتھ قائم کرنا چاہیئے، اوسکی حکومت کے دائرہ سے باہر دوسرے اسلامی ملکون مین اوسکا اقتدار صرف مذہبی و دینی ہوگا،

(باقی)

مشہور عرب ماہر کیمیا جابر بن حیان

(ماخوذ از سائنس پروگریس جنوری ۱۹۲۵ء)

نوشتۂ ای، جے، ہولم یارڈ، ایم اے. ایف آئی سی،

افسر اعلیٰ شعبۂ سائنس کلفٹن کالج، برسٹل،

ترجمہ جناب سردار محمد صاحب، ایم ایس سی، پی اے ایس، زراعتی کالج لائلپور،

گذشتہ دو تین سال مین انگلستان اور جرمنی مین گیبر (Geber) کے متعلق بہت سی تحقیقات ہوئی ہے، اور اب ہم اس قابل ہین کہ اس مسئلے کے متعلق جو علم کیمیا کی ابتدائی تاریخ مین ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، کسی خاص نتیجہ پر پہنچ سکین، مختصراً مسئلہ یہ ہے، کہ علم کیمیا کے متعلق لاطینی زبان مین چند کتابین ہین، جو صدہا سال سے گیبر (Geber) سے منسوب کیجاتی رہی ہین، ان مین علم کیمیا کے متعلق بہت سی معلومات موجود ہین، اور وہ ایسی زبان مین لکھی ہوئی ہین، جو بلحاظ اپنے زمانہ اور نوعیت مضمون کے غیر معمولی طور پر صاف اور واضح ہے، لیکن یہ امر کہ وہ کتابین کب اور کہان تصنیف ہوئین، اور ان کا مصنف کون تھا، ابھی تک راز سربستہ ہی رہا ہے، اور کوئی شخص مندرجہ ذیل سوالون کا جواب تسلی بخش طور پر نہین دے سکا:-

1-Summa 2 Perfectionis 3 De-Investigatione Perfectionis 4 De-Inventione veritatis 5 Testamentum Geberis.

۱- کیا ان کتابون کا مصنف درحقیقت گیبر (Geber) ہی تھا،

۲- اگر سوال نمبر ۱ کا جواب اثبات مین ہو تو گیبر (Geber) کون تھا، اور اگر جواب نفی مین ہو، تو پھر ان کا مصنف کون تھا؟

۳- کیا یہ کتابین یورپ مین تصنیف ہوئین اگر وہان تصنیف ہوئین تو کب، اور اگر وہ یورپ مین تصنیف نہین ہوئین، تو کیا وہ علم کیمیا کے متعلق عربی تصانیف سے اخذ کیگئی ہین؟

اس وقت تک مندرجہ بالا امور پر جو شہادت مل سکتی تھی، اس پر مجموعی طور پر غور نہین کیا گیا، گو سب بحث کو ایک مضمون کی حدود مین لانا مشکل ہے، لیکن اس کے ضروری حصون کا خلاصہ پیش کیا جائیگا، اس طرح سے یہ ظاہر کرنا ممکن ہوجائیگا، کہ جو مختلف نتائج اخذ کئے جاچکے ہین، ان پر کہان تک اعتماد کیا جاسکتا ہے،

گیبر (Geber) کی شخصیت پیشتر اس کے کہ سما (Summa) وغیرہ کی اصل کے متعلق بحث کیجائے، ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ گیبر (Geber) کی شخصیت کے متعلق فیصلہ کیا جائے، سما (Summa) کی کئی ایک طبع شدہ (ایڈیشنون مین گیبر (Geber) کو عرب کہا گیا ہے، گو یہ بات کسی قلمی نسخے مین نہین ملتی، چنانچہ رسل (Russel) کے انگریزی ترجمہ مین اسے ایک مشہور عربی شہزادہ اور منطقی کہا گیا ہے، سنہ ۱۵۴۱ء کی نورن برگ (Nurenberg) کی ایڈیشن مین وہ صرف عرب ہے، سنہ ۱۶۸۲ء کی ڈان زگ (Danzig) کی ایڈیشن مین اسے عربون کے بادشاہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے، اور ایڈیشنون مین بھی اسے عرب ہی کہا گیا ہے، لیکن بوڈلین (Bodleian) کتب خانہ کے ایک قلمی نسخہ Liras practicus Geberis Investigation perfecta magisterii مین جو غالباً پندرہوین صدی کی تصنیف ہے، اسے ایرانیون کے بادشاہ کا خطاب دیا گیا ہے، سنہ ۱۶۸۳ء کی طبع شدہ ایک کتاب (LIMEIR — GUIFLOS NATURARUNE VOCATIVE.

گیبر (Geber) شاہ ہند کی تصنیف خیال کیجاتی ہے، مندرجہ بالا مختلف آرا سے یہ صاف ظاہر ہے، کہ گیبر (Geber) کو کسی نہ کسی طرح کا ایشیائی خیال کیا جاتا تھا، اور کثرت رائے اس کے عربی النسل ہونے کے حق مین تھی،

علم کیمیا کے متعلق زمانہ وسطے کی اکثر ایسی تصانیف ملتی ہین، جن مین گیبر کا ذکر آتا ہے، اور عام طور پر گیبر ابن ہین (Geber ibn Haen) اور بعض دفعہ گیبر کے بجائے جیبر (Jeber) بھی دیکھا گیا ہے، اور گیبر (Geber) یا جیبر (Jebber) دراصل جابر (Jabir) ہی ہے، چنانچہ جہان کہین بھی لاطینی کتب مین گیبر کا ذکر آتا ہے، وہان مراد عربی ماہر کیمیا جابر بن حیان، (Jabir ibn Hayyan) سے ہی ہے، جے (J) کے بجائے جی (G) کا آجانا آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے، لاطینی مین جے (J) کے مترادف کوئی آواز نہین، اور بعض علاقون مثلاً مصر وغیرہ مین جے (J) اکر اب بھی بطور سخت جی (G) یعنی گ استعمال کیا جاتا ہے،

دوسرا امر دریافت طلب یہ ہے، کہ آیا اس نام یعنی جابر بن حیان (Jabir ibn Hayyan) کا کوئی عربی ماہر کیمیا ہوا بھی ہے، خوش قسمتی سے اس مین کوئی دقت پیش نہین آتی، آٹھوین صدی کے آخری حصہ مین خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ مین ابو موسیٰ جابر بن حیان ایک مشہور عالم کیمیا اور طبیب گذرا ہے، اس کی زندگی کے متعلق کچھ حالات پروفیسر رُسکا (Ruska) اور موجودہ مضمون نویس کے مضامین سے مل سکتے ہین، تیرھوین صدی کا مسلمان مورخ ابن القفطی (Ibn al-Qifti) اپنی کتاب تاریخ الحکما مین لکھتا ہے، کہ جابر علوم طبیعی اور خاص طور پر علم کیمیا کا بڑا جید عالم تھا، کئی ایک کتابون کا مصنف، مشہور فلسفی، علوم خفیہ کا ماہر اور اچھے اعلیٰ پایہ کا صوفی تھا، بعض مصنف اس کے علاوہ اور تفصیل بھی دیتے ہین، جس کا ذکر بعد مین کیا جائے گا، بعد کے تمام مسلمان علمائے کیمیا جابر کا بڑی عزت سے ذکر کرتے ہین، اور ان مین سے اکثر اس کی تصانیف کے حوالے بھی دیتے ہین،

القصہ اس کی شہرت مسلمان علمائے کیمیا مین سب سے زیادہ تھی،

لاطینی تصانیف جو جابر کی طرف منسوب کیجاتی ہین، اگر لاطینی تصانیف جنکا ذکر اوپر آچکا ہے، غلطی سے جابر کی طرف منسوب کیجاتی ہین، تو اسکی شخصیت یعنی گیبر (Geber) کا جابر بن حیان (Jabir ibn Hayyan) ثابت ہو جانا کوئی خاص معنی نہین رکھتا، لیکن اس کی شخصیت کے متعلق فیصلہ مندرجہ بالا کتب کی اصل کی تحقیقات مین کسی حد تک مدد دیتا ہے، ان کے عربی الاصل ہونے کے متعلق ان کے اندر جو نشانات پائے جاتے ہین، انھین بغور مطالعہ کرنے کی طرف راغب کرتا ہے، جابر بن حیان کی ان تصنیفات کے مطالعہ کو جو اس وقت دستیاب ہو سکتی ہین، ضروری قرار دیتا ہے، اور ان لاطینی تصانیف متعلق علم کیمیا کے مطالعہ کو جو سما (Summa) وغیرہ مین شامل نہین، لیکن جابر کے ساتھ ان کا تعلق خیال کیا جاتا ہے، اس مسئلہ کے حل کا ایک حصہ قرار دیتا ہے، اور یہ امر دریافت کرنا بھی کہ عربی علم کیمیا یورپ مین کس طرح گیا، ضروری ہو جاتا ہے،

اس مشکل مسئلہ کے حل کرنے مین برتھولے (Berthelot) نے انیسوین صدی کے آخری عشرہ مین بڑی مستعدی سے کوشش کی، اور بہت سے مواد کو ایسی صورت دی، کہ عوام کیلئے اس کا مطالعہ آسان ہوگیا، لیکن اس نے نتائج اخذ کرنے مین بہت جلدی کی، کئی مصنفون نے اس کے کام پر تنقید کی ہے، اور اب یہ تسلیم کیا جاتا ہے، کہ برتھولے کے اخذ کردہ نتائج ترمیم کے محتاج ہین، چند عربی نسخے جنکو جابر بن حیان سے منسوب کیا جاتا ہے BIBLEOTHEQUENA- -ELANOIT اور لیڈن (Leyden) مین موجود ہین، برتھولے نے ان مین سے ایک درجن کتابون کی اصل متن کو پروفیسر او، ہڈاس (O. Houdas) کے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، ان کتابون پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے، کہ ابتداءً وہ لاطینی مین تصنیف نہین ہوئین، برتھولے نے اس سے یہ نتیجہ نکالا، کہ ابتدا مین وہ لاطینی کے بجائے

کسی اور یورپی زبان مین لکھی گئی ہوگی"، اور جابر کے ساتھ ان کے تعلق کو غلط خیال کیا، برتھلوے کے نتائج پر دو اعتراض ہو سکتے ہین :-

(۱) کیا یہ یقینی امر ہے، کہ عربی تصانیف جو اس وقت معرض بحث مین ہین، اصلی ہین ؟

(۲) متنازعہ فیہ لاطینی کتب جابر کی اور تصانیف کا ترجمہ کیون نہین ہو سکتین ،

ان دونون اعتراضون مین سے پہلے کے متعلق کہا جا سکتا ہے، کہ پروفیسر رُسکا (Ruska) نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے، کہ برتھلوے کے شائع کردہ عربی نسخون مین سے دو بالکل جعلی ہین، اور تیسرے مین مصنف صاف طور پر اپنے آپ کو در رضیہ، ابو عبد اللہ محمد بن یحیٰ کہتا ہے، اس لئے باقی نسخون کو ہم مشتبہ خیال کرنے مین حق بجانب ہین، اور ان کو شہادت مین پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے، کہ ان کا بڑی احتیاط سے امتحان کر لیا جائے، جابر کی بہت سی تصانیف اب تک ملتی ہین، جن کے متعلق شبہہ کی گنجائش نہین، ان مین سے بعض مین سے ہم قیمتی معلومات حاصل کر سکتے ہین،

دوسرے اعتراض کے متعلق یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ویڈمین (Wiedmann) رُسکا (Ruska) اور سٹین شنائڈر (Stein Schneider) علم تاریخ السنہ کی بنا پر متفق ہین، کہ لاطینی کتب اپنی موجودہ شکل مین عربی نسخون سے ترجمہ شدہ خیال نہین کیجا سکتین، اس رائے سے مجھے بھی اتفاق ہے، لیکن اتفاق کرتے ہوئے بھی تھوڑا سا اختلاف رائے رکھتا ہون، اور وہ یہ ہے، کہ لاطینی کتب مین بعض حصے صاف طور پر عربی سے ترجمہ شدہ معلوم ہوتے ہین، کیونکہ ان مین عربی جملے اور عربی نحوی ساخت اکثر پائی جاتی ہے، یہ صاف ظاہر ہے، کہ مسئلہ کے حل کا صرف یہی ایک طریقہ ہے، کہ ہم جابر کی ان تصانیف کا جو معتبر خیال کیجاتی ہین، بغور مطالعہ کرین، اور لاطینی کتب سے ان کی مشابہت ثابت کرنے کی کوشش کرین، اس طریقہ پر عمل کرکے چند امید افزا نتائج حاصل ہوئے ہین، جنکا بعد مین ذکر کیا جائے گا، ابتدا مین یہ ضروری معلوم ہوتا ہے،

کہ عربی نسخون کے لاطینی مین ترجمہ ہونے کے متعلق چند امور پر مختصراً غور کیا جائے اس کام مین محنت بہت درکار ہے، لیکن باوجود اس کے بارھوین اور تیرھوین صدی کے بہت سے علمائے سائنس اس کام مین مصروف رہے،

علم کیمیا پر عربی تصانیف کے لاطینی مین ابتدائی تراجم

سب سے پہلے اندلس مین مسلمان اور یورپی علما کا آپس مین میل جول ہوا، یورپ کے مختلف حصون سے نوجوان طالبان علم نے مسلمان علماء کے پاس جمع ہو کر زانوئے شاگردی تہ کیا، اور ایک قلیل عرصہ مین ان کا نئے علم کا شوق بہت ترقی کر گیا، عربی تصانیف کا لاطینی مین ترجمہ اتنا ضروری ہو گیا، کہ طلبہ کا ایک خاصہ گروہ اس مین لگاتار مصروف رہتا تھا، مترجمون مین سے چند مثلاً ایڈلارڈ آف باتھ (Adelard of Bath) ہرمین آف ڈال میٹکا (Hermann of Dalmatica) اور گیراڈ آف سیرمونا (GERAUD of Cremona) اچھی خاصی شہرت رکھتے ہین، چونکہ علوم طبیعی، جن مین کیمیا بھی شامل ہے، مسلمانون مین خاص طور پر عام تھے، اس لئے تراجم مین کتب طبیعیات اور ریاضی کی زیادتی باعث تعجب نہین، روبرٹ آف چسٹر (Robert of Chester) نے بارھوین صدی مین الخوارزمی کا الجبرا انگریزی مین ترجمہ کیا، چنانچہ اس کا ذکر مچیگن یونیورسٹی (Michigan) کے پروفیسر کارپنسکی (Karpenski) کے مضامین مین پایا جاتا ہے، روبرٹ آف چسٹر نے اور کتابون کا بھی ترجمہ کیا ہے، جن مین سے قرآن کا ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہے (De compositione Alchemiae) مصنفہ مورنیس رومنس (Morienus Romanus) کا بھی اس نے ترجمہ کیا، رسکا کا خیال ہے، کہ روبرٹ نے یہ کام ۱۱ فروری ۱۱۸۲ء کو ختم کیا، اور لاطینی مین علم کیمیا پر یہ پہلی کتاب تھی، اگرچہ کوئی عربی نسخہ ایسا نہین ملتا، جو تمامہ اسکی اصل کہلا سکے، لیکن مختلف عربی کتب مین بعض چھوٹے اور بعض بڑے حصے

پائے جاتے ہین، جو یقیناً اس کتاب کے ماخذ ہین، اور اس مین ذرا بھی شبہہ نہین کہ (De Com
positione Alchemiae) اگر کسی عربی کتاب کا لفظی ترجمہ نہین، تو اس کے مضمون کو مدنظر رکھ کر ضرور لکھی
گئی ہے، اُسکا خیال ہے کہ یہ ترجمہ روبرٹ آف چسٹر نے نہین کیا، کیونکہ مترجم اپنے آپ کو نوجوان ظاہر کرتا ہے
اور لاطینی سے کسی قدر ناواقفیت کا اظہار کرتا ہے، لیکن ہمین اچھی طرح معلوم ہے، کہ سنہ ۱۱۲۳ء مین روبرٹ
نے قرآن کا لاطینی ترجمہ ختم کر دیا تھا، جو کہ سنہ ۱۵۵۰ء مین بمقام بیسل (Basele) مع ملنکتھن
(Melanchthon) کے دیباچہ کے شائع ہوا، اُسکو ترجمہ کی صداقت مین کچھ کلام ہے،
اور اس کا خیال ہے، کہ یہ کتاب دراصل ترجمہ نہین، بلکہ عربی کتب کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے، ایسا معلوم
ہوتا ہے، کہ اوسے مندرجہ بالا حصص کے عربی اصل سے واقفیت نہین، چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے،
کہ مجموعی طور پر (De Compositione Alchemiae) غلط بیانی[1] پر مبنی ہے، اور غلط بیانیون کے
ایک سلسلہ مین سے ایک کڑی ہے، جسکی ابتدا ساتوین یا آٹھوین صدی مین ہوئی۔

اس مین شبہہ نہین، کہ عربی کتب کیمیا کے ترجمے ہوئے، اور بعض صورتون مین اصل کتاب
اور اس کا ترجمہ دونون ہمارے سامنے موجود ہین، چنانچہ رازی (ابو بکر محمد بن زکریا الرازی) کی کتاب
الاسرار اور رسالۃ الطمس علی الہلال مثال کے طور پر پیش کیجا سکتی ہین، یہ بات آسانی سے سمجھ مین آسکتی
ہے، کہ چونکہ عربی اور لاطینی مین بہت زیادہ فرق ہے، اس لئے اصل کا صرف مطلب ادا کر دینا ترجمہ
کرنے کی نسبت بہت آسان تھا، اور عام طور پر یہی آسان طریقہ استعمال کیا گیا، کسی ترجمہ کے متعلق
رائے زنی کرتے وقت ہمین اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے، اور ان کتب کو جو لفظی ترجمے نہین،
لاطینی الاصل کہہ کر ردی نہین کر دینا چاہیئے، یہ سخت غلطی ہوگی، کہ صرف سلیس زبان کی بنا پر کسی کتاب
کو یورپی الاصل قرار دیا جائے، عام طور پر مندرجہ بالا اصول کو مدنظر نہین رکھا گیا، اور بہت سی کتابون

[1] FALSIFICATION

کو بجائے ترجمہ کہنے کے جعلی قرار دیا گیا ہے، اس قسم کے فیصلہ مین بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اور طرز
بیان کی نسبت نفس مضمون بہتر راہبر ہو سکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ رہبر اس وقت تک مدد نہین دیسکتا
جب تک عربی کتب کا وسیع پیمانے پر مطالعہ نہ کیا جائے، بہت ضروری ہے کہ شائقان تحقیقات اس
میدان مین نکلین، بہت سا مواد تحقیقات کے نتائج کا منتظر ہے،

اصلی گیبر اب ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہین، جہان یہ کہا جا سکتا ہے، کہ (۱) گیبر (Geber)
سے مراد دراصل جابر (Jabir) ہی ہے (۲) ایک مسلمان عالم کیمیائے ایسا گذرا ہے
جس کا نام جابر بن حیان تھا، (۳) عربی کتب کیمیا کے ترجمے لاطینی مین بارہوین اور تیرہوین صدی مین
ہوئے، (۴) اکثر دفعہ ایسا ہوا ہوگا، کہ یورپی علما نے لفظی ترجمہ کرنیکی بجائے صرف عربی نسخہ کے مضمون
کو ہی ادا کیا، اور آخر مین (۵) یہ ضروری ہے، کہ کسی کتاب کے اصل کے متعلق فیصلہ کرتے وقت نفس مضمون کا
سب سے پہلے لحاظ رکھا جائے، اور طرز تحریر کا بعد مین،

اب ہم گیبر (Geber) یا جابر (Jabir) کی زندگی اور اسکی تصانیف کے متعلق
کچھ اور واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہین، لیکن اس مین دو دقتون کا سامنا ہے، پہلے تو اس مضمون
مین ہمارے پاس گنجائش ہی نہین، دوسرے ان کتابون مین سے جو جابر کی تصانیف خیال کیجاتی ہین،
بہت تھوڑی ایسی ہین، جنھین علمائے یورپ نے پڑھا ہو، باوجود ان دقتون کے ہم جابر کی قابلیت کے متعلق
کچھ نہ کچھ اندازہ لگا سکتے ہین، اور سما (Summa) اور دوسری لاطینی کتب کی اصل کے متعلق
جو جابر سے منسوب کیجاتی ہین، کچھ رائے قائم کر سکتے ہین، لیکن یہ ضروری ہے، کہ ابتدا مین یہ امر واضح کر دیا
جائے، کہ اس راستہ مین غیر معمولی دشواریون کا سامنا ہوگا، کیونکہ بہت سی عربی تصانیف ہین، جنکی صداقت
بذات خود مشتبہ ہے، لیکن اس پر آیندہ بحث کیجائیگی،

جابر کے متعلق درحقیقت ہمارے معلومات اتنے زیادہ ہین کہ پرانے زمانہ کے حکما مین سے

کسی اور کے متعلق اتنے نہین، گو اس کی جائے ولادت کے متعلق قابل اعتبار شہادت نہین ملتی، لیکن اکثر مصنف اس بات پر متفق ہین کہ یا تو وہ طوس واقع خراسان، یا حران واقع عراق عرب کا رہنے والا تھا، ان دونون مقامون سے مین پہلا زیادہ اغلب معلوم ہوتا ہے، اور اگر ہم جابر کو مشہور فارسی شاعر فردوسی کا ہم وطن خیال کرین، تو غالباً بڑی غلطی نہین ہوگی، سب مصنفون کا اتفاق ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ کوفہ مین صرف کیا، اور اس کا محل (دار التجارب) کوئی دو سو سال کا عرصہ ہوا، کچھ پرانے مکانون کو گراتے وقت ملا تھا، ہارون الرشید کے مشہور خاندان وزرا، البرامکہ اس کے دوست تھے، چنانچہ اس نے اپنی کئی تصانیف انھی سے نامزد کین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ کچھ دن وہ دار السلطنت بغداد مین بھی رہا، یہ قصہ کہ وہ سیول (S) کا رہنے والا تھا، بالکل بیہودہ ہے، ہان وہان ایک اور عالم اس کا ہمنام جابر بن افلاح اشبیلی گیارہوین صدی کا مشہور منجم ہوا ہے،

کہا جاتا ہے، کہ جابر چھٹے امام (سنہ ۷۰۰ء سے ۷۶۵ء) جعفر صادق کا شاگرد تھا، اور یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جابر نے غالباً ۷۳۰ء سے ۸۱۳ء تک کا زمانہ پایا جاتا ہے، لیکن یہ امر غور طلب ہے، کہ آیا امام جعفر نے خود علم کیمیا کا مطالعہ کیا ہے یا نہین، اس مضمون پر پروفیسر رسکا (Ruska) نے حال ہی مین ایک رسالہ شائع کیا ہے، جس سے ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے، مسلمانون مین شیعہ اور سنی دو مشہور فرقے ہین، شیعہ عام طور پر زیادہ تعداد مین ایران مین پائے جاتے ہین، اور وہ پیغمبر اسلام کے چچیرے بھائی علی بن ابی طالب کی باقی تین خلفاء کی نسبت زیادہ عزت کرتے ہین، اور سنیون کی نسبت تصوف کی طرف زیادہ مائل ہین، امام جعفر صادق بحیثیت اولاد علی شیعون مین خاص عزت رکھتے تھے، اور جابر چونکہ فارسی تھا، اور صوفی بھی، اس لئے دونون کا تعلق غیر اغلب نہین، لیکن اس مین کوئی شبہہ نہین کہ علم کیمیا کے متعلق جن

ؔ کیا یہ صحیح ہے؟ معارف،

کتب کا تعلق جعفر صادق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، وہ سب جعلی ہین، اور رسکا اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ بالکل غیر اغلب ہے، کہ جعفر نے کیمیا کا مطالعہ کیا ہو، رسکا جو دلائل پیش کرتا ہے، وہ زیادہ طویل اور پیچیدہ ہین، اور ان کا یہان دہرانا غیر ضروری ہے، لیکن انکی ایک زبردست دلیل یہ ہے، کہ گو دمشق بغداد اور اسکندریہ مین کیمیا کی تعلیم عام تھی، لیکن یہ امید نہین کیجا سکتی، کہ پیغمبر اسلام کے اپنے شہر مدینہ مین اس کی سرپرستی ہو رہی ہو، اور یہ بالکل غیر اغلب ہے، کہ جعفر صادق کی حیثیت کا امام پارے، گندھک، کٹھائی اور بھکنی کے استعمال مین مصروف ہو کر جابر کو کیمیا کی تعلیم دے رہا ہو، چنانچہ رسکا اس بات سے بالکل انکاری ہے، کہ جعفر صادق کا کیمیا گری سے کوئی بھی تعلق تھا، اور وہ اس پر ہی اکتفا نہین کرتا، بلکہ یہ بھی کہتا ہے، کہ وہ تمام کتب جنکو جابر سے منسوب کیا جاتا ہے، اور ان مین جعفر صادق کو جابر کا استاد بیان کیا گیا ہے، زمانۂ بعد کی جعلی تصانیف ہین،

میرا اپنا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر مندرجہ بالا نتائج پر پہنچنے مین ہم حق بجانب نہین ہین، (۱) جہان تک میرا علم ہے، یہ بات ثابت نہین ہوتی، کہ جعفر صادق نے اپنا تمام زمانہ مدینہ ہی مین گزارا ہو، گو مجھے رسکا سے یہان تک اتفاق ہے، کہ اس زمانہ مین شہر مدینہ مین کیمیا کا کھلم کھلا شغل اور تعلیم قرین قیاس نہین، لیکن یہ امر تسلیم کرنے مین کوئی خاص اعتراض معلوم نہین ہوتا، کہ جعفر صادق نے کسی اور مقام پر یہ شغل اختیار کیا ہو،

(۲) رسکا کو خوب علم ہے، کہ ایرانی اس وقت اور اس کے بعد بھی کیمیا کے بڑے شائق رہے ہین، عام علم ادب مین کیمیا گر ہمیشہ ایرانی ہی خیال کیا جاتا ہے، اور صوفی بھی اپنی نظمون مین کیمیائی اصطلاحات استعمال کرتے ہین، القصہ یہ خیال کر کے کہ جعفر صادق کا ایرانی شیعون کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا، یہ مان لینا کہ وہ کیمیا گری سے اصولاً واقف تھے، گو عملی طور پر وہ کیمیا گر نہ ہون، چندان مشکل نہین، (۳) جابر اور جعفر کا تعلق جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، بہت اغلب

معلوم ہوتا ہے، اور رسکا اس سے صرف اس وجہ سے انکار کرتا ہے، کہ اس کے خیال مین جعفر صادق کیمیاگر نہین ہو سکتے تھے، لیکن مین اس امر کو ثابت شدہ تسلیم نہین کرتا،

سب مصنف جابر کو صوفی مانتے ہین اور اس گروہ مین عام دستور ہے، کہ طالب کسی نہ کسی مرشد سے تعلق پیدا کرتا ہے، میرے خیال مین ممکن ہے، کہ جابر جعفر کا صوفیانہ طریقہ مین شاگرد ہو، نہ کہ کیمیاگری مین، اگر یہ درست تسلیم کر لیا جائے، تو ممکن ہے، کہ جابر نے تھوڑی بہت کیمیاگری بھی سیکھ لی ہو، مین ثابت یہ کرنا چاہتا ہون، کہ جعفر صادق کیمیاگر نہ بھی ہون، تو بھی یہ امر جابر اور جعفر کے مابین تعلق کے منافی نہین، اور اس سے یہ بھی نتیجہ نہین نکل سکتا، کہ جعفر کیمیاگرون کی اصطلاحات اور مقاصد سے بے خبر تھے، یہ نکتہ مجھے زیادہ طوالت سے بیان کرنا پڑا ہے، کیونکہ اگر رسکا کی کسوٹی کو درست مان لیا جائے، یعنی ان تمام کتابون کو جن مین جعفر کو جابر کا استاد بیان کیا گیا ہے، جعلی تصور کیا جائے، تو بہت سی کتابون کو جو اصلی معلوم ہوتی ہین، جعلی خیال کرنا پڑے گا، اس مین شبہہ نہین، کہ ابتدائی کیمیائی تصانیف کو ہمیشہ مشتبہ نگاہون سے دیکھنا پڑتا ہے، لیکن کتابون کی ایک بڑی تعداد کو سرسری تحقیقات کے بعد جعلی قرار دیدینا بالکل نامناسب ہے، پروفیسر رُسکا کی نہایت محتاط اور عالمانہ تحقیقات نے اسلامی علم کیمیا کی تاریخ کی گران بہا خدمات کی ہین، اور اس کے نتائج سے مجھے کلی اتفاق ہے، لیکن مضمون زیر بحث مین مجھے اس کی کسوٹی کے ساتھ اتفاق نہین، ممکن ہے کہ وہ صحت پر ہو، اسکی رائے قابل قدر ہے، لیکن شہادت کافی نہین، اور جو تھوڑی بہت ہے اس کے برخلاف بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے،

جابر کی زندگی کے متعلق جو حالات مجھے مسلمان مورخون کی تصنیفات سے ملے، وہ مین نے، رویداد رائل سوسائٹی آف میڈیسن (Royal society of medicine) بابت نمبر ۱، ۱۹۲۳ء مین شایع کئے تھے، اس کے بعد مجھے ایک اور مضمون الجلدکی کا لکھا ہوا ملا، جلدکی ۱۳۶۰ء کے قریب فوت ہوا

اور اسلامی کیمیائی دائرۃ المعارف[1] کا مشہور مصنف تھا، رسالہ موسومہ کتاب البرہان فی اسرار علم المیزان" مین وہ یون لکھتا ہے، "استاد اعظم جابر بن حیان بن عبداللہ کوفہ مین پیدا ہوا، وہ طوسی النسل تھا، اور ازاد[2] نامی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، خیالات مین صوفی، اور یمن کے رہنے والے، حربی الحمیری کا شاگرد تھا، حربی معمرین مین سے ایک تھا، جابر نے لفظ معمرین کی تشریح کی ہے اور کہتا ہے، کہ حربی نے چارسو سال کی عمر پائی، چنانچہ ہجرت سے دوسو سال پہلے پیدا ہوا، اور ہارون الرشید کے زمانہ یعنی ہجرت سے ۲۰۰ سال بعد تک زندہ رہا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، جابر نے جب حربی سے اوائل عمر مین علوم طبعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی، تو وہ امام جعفر صادق بن محمد الباقر بن علی بن حسین کے پاس گیا، اور ان کی صحبت مین وہ بھی امام بن گیا، اس کے بعد وہ البرامکہ کے ساتھ شامل ہوا، اور ان کی صحبت مین اس نے بہت سا علمی کام کیا، اسی کے طفیل برامکہ فہم و فراست سے بہرہ اندوز ہوئے، ان کا جاہ و منصب بڑھا، سلطنت مین انھین بہت زیادہ طاقت حاصل ہوئی، اور وہ بڑے سخی مشہور ہوئے، الغرض برامکہ کا نام یہانتک روشن ہوا کہ ان مین سے جعفر (برمکی) کے نام کے دینار شاہی دینارون کے نمونہ پر ضرب ہوئے، وزیر جعفر کے توسل سے جابر کا خلیفہ ہارون الرشید کے دربار مین آنا جانا شروع ہو گیا، چنانچہ خلیفہ کے نام سے نامزد کر کے اس نے علم کیمیا پر ایک کتاب لکھی، جس کا نام کتاب شگوفہ رکھا (THE BOOK of blossom) اس کتاب مین اس نے علم کیمیا کے جلی و خفی پہلوؤن کے متعلق نہایت مختصر طریقے، نہایت ستھرا طریق عمل، اور عجیب و غریب تجربات بیان کئے، جابر کی وجہ سے ہی قسطنطنیہ سے دوسری دفعہ یونانی کتب بڑی تعداد مین لائی گئین، منطق مین وہ علامۂ دہر مشہور ہو گیا، اور نوے سال سے کچھ زائد عمر مین اس نے تین ہزار کتابین لکھین، اللہ اسے مغفرت دے،

---

[1] Encyclopaedia of Islamic chemistry
[2] معارف: - آزاد یا عرب کا قبیلۂ ازد؟

الجلدکی اسلامی علمائے کیمیا کے متعلق لاثانی واقفیت رکھتا تھا، اسکی معلومات کے ماخذون مین سے اکثر آج ناپید ہین، جابر کے متعلق مندرجہ بالا بیان باوجود اس کے کہ اس کا اکثر حصہ فسانہ نما ہے، دلچسپی سے خالی نہین، کیونکہ استادِ اعظم کی زندگی، جائے پیدائش وغیرہ کے متعلق جو مشکلات تھین ان مین سے اکثر کا حل اس مضمون مین ملتا ہے، اگر وہ کوفہ مین پیدا ہوا، اور طوس کے کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، تو کوفی اور طوسی دونون نسبتین درست ہین، خراسان سے کوفہ، بصرہ اور نئی اسلامی سلطنت کے اور شہرون کی طرف ایرانیون کا بہت زیادہ تعداد مین خروج ہوا، اور کسی کو اس امر سے انکار نہین،

ایک اور بات جو خاص دلچسپی کا باعث ہو، یہ ہے، کہ جابر ہی کی وجہ سے دوسری دفعہ یونانی کتب قسطنطنیہ سے منگوائی گئین، یونانی کتب پہلی دفعہ غالبًا خلفائے بنوامیہ مین سے خالد بن یزید نے منگوائین اور یہی واقعہ الجلدکی کے ذہن مین معلوم ہوتا ہے، خلیفہ المامون کے عہد حکومت (سنہ ۱۳۳ھ سے سنہ ۲۳۳ھ) سے پہلے یونانی کتب کے ترجمہ کا کام اپنے معراج تک نہین پہنچا تھا، چنانچہ اس خلیفہ نے شہنشاہ لیو (LEO) ارمنی کے پاس ایک وفد کتب یونانی کے ترجمہ کی غرض سے بھیجا، اور شہر بغداد مین بیت الحکمۃ کے نام سے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی، جس مین مترجم، منجم اور دوسرے علمائے سائنس اپنا اپنا کام کرتے تھے،

ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گو جابر کو زیادہ دلچسپی علم کیمیا کے مطالعہ مین تھی، لیکن وہ اور علوم کا بھی بڑا علامہ تھا، غالبًا اسے یونانی زبان سے بھی واقفیت تھی، اسکی تصنیفات کی اپنی طیار کردہ فہرست "کتاب الفہرست" کے مصنف نے نقل کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ علم کیمیا کے علاوہ اس نے اور مختلف مضامین پر بھی بہت کچھ لکھا ہے، اور یہ امر تعجب انگیز بھی نہین، جب ہم ان علمی خزائن پر نظر ڈالتے ہین، جو جندیساپور، حران، اسکندریہ اور دوسرے علوم یونان کے مرکزون سے مسلمانون کے پاس پہنچ رہے تھے، ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے، جابر صوفی بھی تھا

اور ماہر کیمیا بھی، یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ تصانیف متعلقہ تصوف مین کیمیائی اصطلاحات، اور طرز بیان استعمال کرے، اس لیے ہمین محتاط رہنا چاہیئے، کہ ہم کہین ان رسالون کو جو کیمیائی زبان مین علم تصوف پر لکھے گئے ہین، علم کیمیا ہی تصور نہ کرین، خوش قسمتی سے جابر کی بہت سی تصنیفات مین کیمیائی عمل اور تراکیب کا حال نہایت واضح اور صاف زبان مین ملتا ہے، مرکبات اور آلات کے نام ایسے طرز مین لکھے ہوئے ہین، کہ ان سے جابر کی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، لاطینی کتب پر غور کرنے سے یہ مضمون اور بھی واضح ہو جانا چاہئے کیونکہ ان کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا، کہ عربی اصل کی نسبت ان مین کوئی کمی یا بیشی تو نہین،

عربی کے مقابلہ مین لاطینی کتب کا نفسِ مضمون

مندرجہ ذیل سطور مین ان انگریزی کتب کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہین، جو رسل ([illegible]) نے لاطینی سے تیار کی ہین، صرف چند ضروری باتون پر بحث کیجائے گی ؛

الف، کتاب الاستتمام، اس نام کی ایک کتاب، کتاب الفہرست مین جابر کی تصانیف کی ذیل مین پائی جاتی ہے، لاطینی نسخے مین دھاتون کا ذکر ہے، اور ان کو مکمل کرنے کے متعلق تعلیم دیگئی ہے، چنانچہ اس مین لکھا ہے، کہ تمام دھاتین خالص یا غیر خالص چاندی اور گندھک سے مرکب ہین، اور ان دونون کا خالص یا غیر خالص ہونا محض اتفاقی بات ہو، جابر کی کتاب الاداۃ (Kitab ul Adat) کے قاہرے والے نسخے مین لکھا ہو، "سب دھاتین چاندی اور گندھک کی باہم ملاوٹ سے پیدا ہوتی ہین، اور مختلف دھاتون کا باہمی فرق اس لئے ہے، کہ چاندی اور گندھک کبھی خالص اور کبھی غیر خالص ہوتے ہین" یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ لاطینی کتب کی صداقت کے برخلاف برتھولے کی ایک دلیل یہ تھی، کہ ان مین دھاتون کے چاندی اور گندھک سے مل کر بننے کا مسئلہ پایا جاتا ہے، اور اس کے خیال مین جابر عربی کی تصانیف مین اسکا

ذکر نہین،

کتاب الاستتمام مین مندرجہ ذیل اشیا کا دھاتون کی تیاری کے سلسلہ مین ذکر ہے، نمک، بھنکری (Atramenta) شیشہ، سہاگہ، سرکہ، جابر کو ان سب اشیا کا علم تھا، اور یہ قرین قیاس ہے، لفظ (Yamenonsalum) جو لاطینی کتب مین پایا جاتا ہے، قابل غور ہے، کیونکہ اس کے معنی مین کی بھنکری ہے علاوہ ازین کئی موقعون پر جابر سرکہ کی صفائی بذریعہ عمل کشید بتاتا ہے اور "تعجیل کار شیطان است" مسلمانون مین ایک عام ضرب المثل ہے، لاطینی کتابون مین جو جو طریقے دھاتون کی تیاری کے بتائے گئے ہین، سب کے سب عربی نسخون مین ملتے ہین، ہان اتنا فرق ضرور ہے کہ عربی نسخون مین ایک ہی کتاب مین نہین ملتے،

(ب) مجموعۂ کمال (The sum of perfection) اس کتاب کا دیباچہ یقیناً عربی سے ترجمہ ہے، یہ فقرہ "ہماری اور تصانیف مین جو کمی ہے وہ ہمنے اس کتاب مین پوری کردی ہے" جابر کے اس بیان سے بالکل ملتا ہے "ہم نے اپنی معلومات کو کئی کتابون مین رکھا ہے"

گیبر (Geber) کہتا ہے "ایسے ذرائع معلوم کرنے چاہئین، جن سے قدرت کا مقابلہ ہوسکے، جابر (Jaber) کہتا ہے "ماہران کیمیا مصنوعی طریقون سے قدرت کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہین"

گیبر (Geber) "مصور یا معمار بہت محنتی ہونا چاہئے، جس وقت تک کام ختم نہ ہو جائے، اسے ہمت نہ ہارنی چاہئے"

جابر (Jaber) "علم کیمیا کا مطالعہ کرنے والا ثابت قدم ہونا چاہئے، اور اسے ظاہری مشکلات سے ڈر کر تجربون کو چھوڑنا نہین چاہئے"

جو لوگ کیمیاگری کی اصلیت سے منکر تھے، ان کے برخلاف لاطینی کتب کی دلائل ہین

یاد دلاتی ہین، کہ تیرھوین صدی مین رتبات الحکیم کے مصنف کے قول کے مطابق جابر کو بد اعتقادون کے برخلاف بڑی جد و جہد کرنی پڑی تھی، عربی کتب مین بھی یہی صورت پائی جاتی ہے، لیکن ان مین سوال و جواب کا طریقہ ایسا سخت نہین، جیسا کہ لاطینی کتب مین، آلات کی ساخت و استعمال کے متعلق جو ہدایات گیبر (Geber) دیتا ہے، وہی جابر کی تصنیف "کتاب الخواص" مین ملتی ہین، کتاب کا چودھوان باب کشتہ سازی کے بیان مین ہے، جابر نے اسی مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے، اور خوش قسمتی سے اس کا ایک حصہ اب بھی ملتا ہے، دونون کی عبارت ملاحظہ ہو:-

لاطینی نسخہ - کشتہ سازی سے مراد کسی چیز کا بذریعہ آگ سفوف بنانا ہے، اس عمل مین رطوبت جو شے مذکور کے ذرات کی پیوستگی کا باعث ہوتی ہے، ضائع کیجاتی ہے اور ترکیب اشیا مین گندھک کی وجہ سے جو غلاظت اور خرابی واقع ہوجاتی ہے، اسے آگ کے ذریعہ تلف کیا جاتا ہے، اسکا طریقۂ عمل مختلف اشیار کی صورت مین مختلف ہے، ٹھوس اشیار کا کشتہ بنایا جاتا ہے، مائع و سیال کا بھی، اور ان اشیار کا بھی جو ان ہر دو ضمنون مین نہین آتین، ہر حالت مین مقصد اور طریقہ مختلف ہے،

عربی نسخہ کتاب التخلیص کی عبارت حسب ذیل ہے: "کشتہ سازی سے مراد یہ ہے کہ دھاتون کو گرم کرکے ان مین سے غیر ضروری ملاوٹ نکالی جائے، اور ان کو صاف کیا جائے، طریقۂ عمل ہر دھات کی صورت مین مختلف ہے، وجہ یہ ہے کہ بعض دھاتین قدرۃً خالص واقع ہوئی ہین اور ان مین کشتہ سازی سے مراد صرف باریک سفوف تیار کرنا ہے"

اس امر کو کہ چاندی گندھک کے جل جانے کے بعد اپنی اصلی حالت مین آجاتی ہے، جابر کتاب الخواص کے ضمن ۳ مین مندرجہ ذیل الفاظ مین بیان کرتا ہے "اگر چاندی کو کوٹ کر اس پر گندھک چڑھائی جائے، اور بعد مین مناسب درجہ حرارت تک گرم کیا جائے، تو باہر نکالنے پر یہ شیشہ کی طرح باریک پس سکتی ہے، اگر اس کے بعد اسے پھر آگ مین رکھین اور سہاگہ کی موجودگی

مین گرم کرین، تو یہ اپنی اصلی حالت مین آجاتی ہے"

شورے کے تیزاب کی تیاری کا بیان جو سماباب نمبر ۱۳ مین پایا جاتا ہی، مین نے ایک کتاب کے قلمی نسخہ مین جو کہ قاہرہ مین موجود ہے، حال ہی مین دیکھا ہے، یہ کتاب بھی جابر کی تصنیف خیال کیجاتی ہے،

ان چند مثالون سے یہ ظاہر ہوگیا ہوگا، کہ لاطینی اور عربی کتب کے نفس مضمون مین بہت حد تک مشابہت ہے، مقامات مشابہت کی تعداد مین اضافہ ہو سکتا ہے، اور کوئی شبہہ نہین کہ آیندہ تحقیقات کے بعد ضرور اور اضافہ ہوگا،

نتیجہ یہ ہے کہ مسئلہ گیبر کی موجودہ صورت بمقابلہ اس صورت کے جو چند سال پہلے تھی، بالکل مختلف ہے، اور مندرجہ ذیل نتائج کسی حد تک مسلمہ خیال کیے جا سکتے ہین:-

(۱) گیبر درحقیقت **جابر بن حیان** ہی ہی،

(۲) جابر کی یہ شہرت کردہ مسلمانون مین سب سے مشہور ماہر کیمیا ہوا ہے، اس کی تصانیف سے ثابت ہے،

(۳) لاطینی تصانیف جو جابر سے منسوب کیجاتی ہین، عربی سے لفظی ترجمے نہین بلکہ عربی کتب کے نفس مضمون کو مدنظر رکھ کر لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہین،

(۴) لاطینی کتب اور جابر کی عربی تصانیف کے مضمون مین غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہی، ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ آیا یہ مشابہت لاطینی کتب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہوگی یا نہین، اس امر کا فیصلہ وقت اور تجربہ کرے گا،

دوآبۂ دریاے جیحون وسیحون کی تاریخ پر ایک نظر

۲- زیر بحث مسئلہ،

از

پروفیسر جمیل الرحمن ایم اے جامعۂ عثمانیہ

جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ محض قیاسات پر ہی مبنی نہین، چونکہ ۱۲۱۵-۱۲۹۶ء کے نقل مکان کے آخری دور مین اسی قسم کا حادثہ پیش آیا اور مسلمان نیست ونابود ہو جانے سے بالکل بال بال بچ سکے، قاعدہ ہے کہ کسی قومی نقل مکان کے موقع پر سب سے زیادہ ہل چل اس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ ہنگامے قریب الختم ہوتے ہین، اور ساتھ ساتھ جون جون یہ بے چینی انتہائی حد کو پہونچتی جاتی ہے، تو بے شمار انسان اس مین شامل ہونے کیلئے اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوتے ہین، اس وقت بھی یہی ہوا، بے چینی کا اصل مرکز یوریشیا کے جنگل تھے، اور اس علاقے کے وہ لوگ جو سب سے پہلے اسلامی ممالک پر حملہ آور ہوئے وہ تھے جو ان جنگلون کے بالکل کنارون پر رہتے تھے ان مین سلجوقی بھی شامل تھے، کیونکہ نقل مکان سے ایک مدت پہلے وہ ماوراء النہر کی تہذیب سے متاثر ہو چکے تھے، اور چونکہ ۱۴۱ء کے فیصلہ کے مطابق یہ تہذیب خالص وسط ایشیا کی تہذیب ہونے کے بجائے، اسلام کی فاتحانہ تہذیب تھی، اس لئے قبل اس کے کہ وہ ابر وباد کے طوفان کی طرح اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر اسلامی ممالک پر حملہ آور ہون سلجوقیون نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسی وجہ سے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ان کا یہ حملہ اسلامی تہذیب ومعاشرت کے لئے بالکل خطرناک ثابت نہ ہوا، بلکہ اس سے مسلمانون کو تقویت حاصل ہوگئی لیکن نقل مکان کے سلسلہ کے آخری اور سب سے زیادہ تباہ کن دور مین مسلمان بالکل امن مین نہ رہ سکے اور ان کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مرتبہ یہ خانہ بدوش حملہ آور وسط ایشیا کے ایسے گھرے جنگلون

سے نکل کر آئے تھے جن پر ابتک اسلام کا مذہبی اور تمدنی اثر نہین پڑا تھا، حالانکہ اس وقت ماوراء النہر کی
اسلامی فتح کو پانچ سو برس کا عرصہ گذر چکا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ یہ سرزمین جسمین منگولیا اور زنگیریا
کے علاقے شامل تھے دوسرے مذاہب کے اثرات سے بالکل بے بہرہ رہی ہو، اسلامی فتح کی وجہ سے ماوراء النہر
کا علاقہ بدھوی یا نسطوری، یا مانی تہذیب کا مرکز نہ بن سکا تھا، اور جہان تک وسط ایشیا کا تعلق تھا
اب ان مذاہب کا اثر اور رسوخ ختم ہو چکا تھا، مگر مسلمان ان مذاہب کو مشرق کی طرف بڑھنے سے نہ روک
سکے اور ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے اوگر اور غیر اقوام پر ایک عجیب و غریب چند روزہ اور نیم کامیاب غلبہ
حاصل کر لیا، بلکہ کہا جا سکتا ہے، کہ سغد اور فرغانہ کی اسلامی فتح نے شمال مشرق کے دور افتادہ علاقون مین
مانوی نسطوری مذاہب کے بسرعت پھیلنے مین مدد دی تھی کیونکہ اس فتح کی وجہ سے ماوراء النہر کے بچے کھچے
لوگ ان لامذہب خانہ بدوش اقوام مین پناہ گزین ہوئے تھے، اگر یہ صحیح ہے تو وسط ایشیا کی موہوم اور قیاسی
تہذیب نے "پریسٹر جان" (Prester John) کی شکل مین ایک چیز باقی چھوڑی تھی اور یہ پریسٹر جان
ان مسلمان فاتحین کی اولاد سے بدلا لینے مین تقریبًا کامیاب ہو گیا تھا جنھون نے پانچ صدی قبل اس تہذیب
کو نیست و نابود کیا تھا، یہ امر مشکوک ہے کہ آیا چنگیز خان کی خانہ بدوش حکومت کے ابتدائی اصولون مین
نسطوری اور بدھوی اثرات پائے جاتے تھے یا نہین، کہا جا سکتا ہے کہ اس کی حکومت کے مغرب مین،
جو خانہ بدوش اقوام آباد تھین، ان مین بھی یہ اثرات بالکل نامعلوم تھے، لیکن باوجود اس کے ان مین قوت
تھی کہ وہ اس علاقے مین تمام علوم و فنون کے واحد اجارہ دار بن گئے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ جن قبائل
مین یہ اثرات موجود تھے ان کو بالکل مساوی حقوق دے کر منگولی برادری مین شامل کر لیا گیا تھا، حالانکہ
دوسرے دور افتادہ قبائل کو جنمین یہ اثرات موجود نہ تھے اور جن کو چنگیز خان نے بعد مین فتح کیا یہ حقوق
نہین دیئے گئے تھے، اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ ان کو اس وقت منگولی برادری مین شامل
کیا گیا تھا جب کہ چنگیز خان کی سلطنت اس قدر وسیع ہو گئی تھی کہ محض خانہ بدوشانہ زندگی سے

کام نہ چل سکتا تھا، اور کسی نہ کسی قسم کے تمدنی اصولون کی اشد ضرورت تھی، اس طرح پر اس مردہ معاشرت
کے چند گمنام اور پریشان حال افراد کو ایک ایسی سلطنت مین عزت و احتشام حاصل ہو گیا جو اس وقت معلوم
ہوتا تھا کہ دونون براعظمون مین پھیل جائیگی،

سنہ ۷۳۲ء مین عرب فاتح یورپ مین تورس کی شکست کو بالکل فیصلہ کن مان کر آگے بڑھنے سے قطعی
طور پر مایوس ہو گئے تھے، اور ان کی اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ مغرب بعید کی عیسائیت برابر ترقی کرتی جا رہی
تھی اور اس وقت نہ صرف شباب پر پہنچ چکی تھی بلکہ مسلمانون سے دست و گریبان ہونے کے لئے تیار تھی
اگر اس وقت مشرق بعید اور مغرب بعید کی عیسائیت مین اتحاد پیدا ہو جاتا تو بالکل ناممکن تھا کہ اس کے
بعد مسلمانون کی کوئی سیاسی اہمیت دنیا مین باقی رہجاتی، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اکثر بھول جاتے ہین کہ
ان دونون فریقون نے جنکو ایک مدت تک ہلال کی دوشاخون نے الگ کر رکھا تھا کس طرح تیرھوین
صدی عیسوی مین اتحاد پیدا کرنے کی یکے بعد دیگرے کوشش کی تھی، اور ایک حد تک اس مین کامیاب بھی
ہو گئے تھے سنہ ۱۲۲۱ء مین خوارزم شاہ کی بربادی کے وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس ایک واقعہ نے ماوراء النہر
مین پانچ صدیون کی تمام اسلامی جد و جہد کو خاک مین ملا دیا ہے، اور اسی طرح سنہ ۱۲۵۸ء مین بغداد کی تباہی
اور اس کے ساتھ عراق کی افسوسناک بربادی نے مسلمانون کے سیاسی اور معاشی مرکز کو ایسا صدمہ پہنچایا
تھا کہ اس کی تلافی ناممکن تھی، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جس نے خاقان منگو کو ہلاکو خان کی فوجی مہم
بھیجنے پر آمادہ کیا تھا آرمینیہ کوچک کا عیسائی بادشاہ ہیثوم (Hayton) تھا اور ممکن ہے
کہ خود ہلاکو خان کی نسطوری بیوی نے اپنے خاوند کو اس بات پر آمادہ کیا ہو کہ وہ اپنا مقدمۃ الجیش دریائے
فرات کے پار مسلمانون کے آخر ملجا و ماویٰ یعنی مصر پر حملہ کرنے کے لئے نسطوری سپہ سالار کت بغا
کی سرکردگی مین بھیج دے، سنہ ۱۲۶۰ء مین کت بغا نے دمشق پر قبضہ کر کے تھوڑی دیر کے لئے مانوفیسائٹ
اور آرتھوڈاکس عیسائیون کو مسلمانون کا حاکم بنا دیا، اسی وقت یورپ کے صلیبی مجاہدین عکہ اور شامی

ساحل کے قلعون پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے آخری اور انتہائی کوشش کر رہے تھے، اور ان کو اس بات کا احساس تھا کہ اس نازک موقع پر "ترجمان" کی مدد سے ان کو کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، چنانچہ اس سے قبل بھی پوپ انوسنٹ چہارم نے ۱۲۴۵ء مین فرائر گووانی ڈی پیانو کرپنی (Yriar Giovanni di pain Carpini) کو قراقرم مین خاقان کے پاس بھیجا تھا، اور اسی طرح ۱۲۵۳ء مین سینٹ لوئی نے فرائر ولیم آف روبرک (Yriar William of Rubrouck) کو بطور ایلچی روانہ کیا تھا، ۱۲۶۶ء مین مارکوپولو کا باپ اور چچا محض تاجرانہ حیثیت سے وہان پہونچے اور پوپ کے نام خاقان کا ایک خط لے کر واپس آئے، ۱۲۷۱ء مین وہ پوپ کا جواب لے کر عکہ کے قراقرم روانہ ہوئے اور ۱۲۹۵ء مین بحر ہند کے راستہ سے وینس واپس آئے، علاوہ ازین ۱۲۸۵ء مین ایلخان ارغون نے ایک خط فرانس کے بادشاہ کو لکھا، اور اس کے بعد ۱۳۰۵ء مین ایسا ہی ایک خط اس کے بیٹے الجیتو (AULJAYTO) نے فرانس بھیجا، ان تمام واقعات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تیرہوین صدی عیسوی کے نصف آخر مین مسلمانون کے دو سب سے بڑے دشمنون مین اتحاد ہو جانا قرین قیاس معلوم ہوتا تھا، آخر ۱۲۹۱ء مین عکہ کی فتح اور ۱۲۹۹ء اور ۱۳۰۳ء مین شام پر منگولی حملون کی ناکامی کی وجہ سے اس اتحاد کی امیدون پر بھی پانی پھر گیا،

[illegible] کے درمیان خانہ بدوش قبائل کے آخری نقل مکان کے موقع پر اسلامی سلطنت اور تہذیب تقریباً بالکل تباہ و برباد ہو گئی، اور یہ حالت اس وقت ہوئی جب کہ ۱۲۲۰ء تک ماوراء النہر مین اسلام سیاسی اور تمدنی لحاظ سے برسر حکومت تھا، برخلاف اس کے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس سے پانچ صدی قبل اس علاقے کو عرب فتح کر کے اپنی سلطنت مین شامل کرنے سے قاصر رہتے، اور وہان عربون کے علی الرغم ایک ایسی نئی اور طاقتور سلطنت اور تہذیب قائم ہو جاتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو [illegible] کے واقعات جو محض بگولہ کی طرح اٹھ کر غائب ہو گئے مستقل طور پر تاریخ مین ثبت ہو جاتے، اسی طرح اگر یہ

فرض کر لیا جائے کہ ۱۲۳۰ء سے قبل دریائے فرات کے مغرب سے مسلمان نکال دیئے جاتے، اور وسط ایشیا کی نئی تہذیب اس دریا کے کنارے سے لے کر چنگیز خان کی سلطنت کے جنوب مغربی کنارے تک پھیل جاتی تو اغلب یہ ہے کہ بدھوی نسطوری تہذیب جس نے بارھوین اور تیرہوین صدی ہی مین اپنی موہوم ہستی کے باوجود منگولون پر اس قدر گہرا اثر کیا تھا، اس وقت ان کو بالکل اپنے مین ضم کر لیتی اور اس کے بعد یہ لوگ اس کے نمائندے بن کر تمام دنیا کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھتے، ایسی حالت مین دریائے فرات کا مغربی کنارہ اسلامی سلطنت کی آخری سرحد قرار پاتا، اور اس مین ذرا بھی شک نہین کہ اس صورت مین یہ سرحد بھی بہت کم مدت تک قائم رہ سکتی، اگر ایسا ہوتا تو تیرہوین صدی عیسوی مین اسلامی تہذیب کا وہی حشر ہوتا جو گیارہوین صدی عیسوی مین بازنطینی تہذیب کا ہو چکا تھا، مشرق بعید اور مغرب بعید کی دونون دشمن اسلام مل کر مسلمانون کے آخری ملجا و ماویٰ یعنی مصر پر حملہ آور ہوتے اور اسے برباد کر دیتے،[1] مسلمان ایک محض گذشتہ اور مردہ تہذیب کے تبرک کے طور پر رہ جاتے، اور بیسوین صدی عیسوی مین ان کی وہی حالت ہوتی جو اس وقت آرمینیہ اور شام کے مانوفیسائٹ اور نسطوری فرقون کی ہے،

مذکورہ بالا وہ چند نتائج اور اثرات تھے جو ۷۳۲ء اور ۷۵۱ء کے درمیان ماوراء النہر اور فرانس کے عرب فاتحون کی کامیابی اور ناکامیابی سے وابستہ تھے، اب اگر ممکن ہو تو یہ دیکھنا باقی ہے کہ عربون کو ایک جگہ کامیابی اور دوسری جگہ ناکامیابی کیون ہوئی جسکی وجہ سے یہ عظیم الشان نتائج مرتب ہوئے، عرب آخر فرانس کو فتح کرنے مین کیون ناکامیاب رہے حالانکہ اسی زمانہ مین انھون نے ماوراء النہر کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زیر و زبر کر ڈالا، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ایسے اسباب موجود تھے جنکی بنا پر یہ قیاس ہو سکتا ہے، کہ اس وقت ماوراء النہر کی فتح فرانس کی تسخیر سے زیادہ مشکل تھی، اس سے قبل

[1] بعینہ جس طرح کہ گیارہوین صدی مین سلجوقیون اور نارمنون نے ایک ہی زمانہ مین بازنطینی سلطنت پر حملہ کیا تھا،

بھی دریائے سیحون و جیحون کی وادی کو فتح کرنا آسان کام نہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ اسکندر رومی نے وہان دو برس خرچ کئے، اور آخر کار صرف صلح و آشتی کی حکمت سے اس کو اپنا بنا سکا حالانکہ اس کے مقابلے مین صرف پانچ برس کے اندر اندر وہ غیر مشروط طور پر درۂ دانیال اور لیبیا (LIBYA) کے نخلستانون سے لیکر ایرانی سطح مرتفع کے شمال مشرقی کنارے تک تمام سرزمین کا مالک کل بن گیا تھا ان دونون فتوحات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جس وقت اسکندر اعظم نے ماوراء النہر پر حملہ کیا ہے، اس سے کم و بیش دو صدی قبل باختر اور سغد کا علاقہ مستقل طور پر اشکانی سلطنت کا حصہ قرار دیا جا چکا تھا، اور اس لئے ہونا یہ چاہیے تھا کہ ایران کے دوسرے صوبون کی فتح کے ساتھ ساتھ اس صوبہ کی خود مختاری بھی ختم ہو جاتی، یہی فرق ہے کہ جو اس علاقے کو اشکانی حکومت کے دوسرے صوبون سے ممیز کرتا ہے،

جب عربون نے اس علاقہ کو فتح کرنے کی کوشش شروع کی ہے تو اس وقت اس کی تسخیر زین اور بہت سی رکاوٹین حائل تھین، عرب ۱۵۳ھ مین سب سے پہلے اس ملک کی سرحد کے قریب پہونچے اس وقت کم و بیش نو سو برس گذر چکے تھے کہ ماوراء النہر ایرانی سطح مرتفع سے نہ صرف آزادی حاصل کر چکا تھا بلکہ ہمیشہ اس کے ساتھ برسر پرخاش رہتا تھا، مسٹر گب نے اپنی نئی کتاب[1] مین نہایت وضاحت سے ساسانی ایران اور ماوراء النہر اور طخارستان کے اس وقت کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا مقابلہ کیا ہے جب کہ موخر الذکر علاقے کشان، افتالوی اور ترکی قبائل کے زیر سیادت تھے، زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ ایران سے ان علاقون کی اسی علیحدگی کی وجہ سے عربون کو اس امر مین دقت واقع ہوئی کہ ماوراء النہر اور ایران کو ایک دوسرے مین ضم کر دین، مسٹر گب کا خیال یہ ہے کہ دعوئ عباسیہ کے دوران مین بھی ماوراء النہر اموی علم اور خراسانیون سے بالکل الگ رہا تھا اگر یہ خیال صحیح ہو تو اس سے بخوبی ظاہر

[1] The Arab Conquest of Central Asia by Gibb

ہو جائے گا کہ اس وقت بھی جبکہ ماوراء النہر عربی سلطنت کا ایک مستقل حصہ ہو گیا تھا اس نے اپنی خاص انفرادی حیثیت کو برقرار رکھا تھا، اور اپنے آپ کو دوسرے صوبون کے ساتھ ضم ہونے سے بچایا تھا، دوسری طرف، اگر غور سے دیکھا جائے تو یورپ کے مختلف ممالک مین اس سے کہین زیادہ گہرا تعلق موجود تھا، ساتوین اور آٹھوین صدی عیسوی مین مغربی عیسائیت، لاطینی زبان اور رومتہ الکبریٰ کے باقی ماندہ آثار کی وجہ سے فرانس، اسپین اور شمال مغربی افریقہ کے ممالک ایک رشتہ مین منسلک سمجھے جا سکتے ہین، اور بآسانی تصور کیا جا سکتا ہے کہ موخر الذکر دو علاقون کی فتح سے ہی فرانس بھی ایک ہی یورش مین عربون کے قدمون کے نیچے آجاتا، ۷۲۱ء مین کوہستان پیرینز کسی طرح بھی سیاسی یا تمدنی لحاظ سے ایرانی سطح مرتفع کے مقابلہ کچھ زیادہ ناقابل گذار نہ تھے،

فرانس کے مقابلے مین ماوراء النہر کو اور بھی بہت سے فائدے حاصل تھے، ممکن ہے کہ فوجی نقطۂ نگاہ سے تانگ کی سلطنت محض بے کار ثابت ہوئی ہو، مگر ماوراء النہر اور طخارستان کی خود مختار ریاستون کو جو سیاسی مدد لگاتار چنگ رنگن کے دربار سے مل رہی تھی وہ ہی ان کی ہمتون کو بڑھانے کے لئے کافی تھی، خصوصاً اس حالت مین جبکہ عرب اس کی قدر و قیمت سے بالکل بے خبر تھے، اور اس لیے اس کو اس کے مرتبہ سے بڑھا ہوا سمجھا کرتے تھے، اس کے برخلاف ۷۳۲ء کے نازک زمانہ مین نیوسٹریا اکوئٹین، اور آسٹریشیا کے باشندون کو نہ تو بحیرۂ روم مین کوئی مددگار، نہ کسی قسم کی سیاسی تائید قسطنطنیہ کے قیصر کی طرف سے حاصل تھی، اور اس لیے ان کو جنگ اور شکست کا خمیازہ خود ہی اٹھانا پڑتا تھا، جغرافیہ اور آب و ہوا کے لحاظ سے بھی ماوراء النہر فرانس کی نسبت حملہ آورون کے لئے زیادہ دشواریون سے گھرا ہوا تھا، ماوراء النہر مین سرسبز و شاداب زرعی قطعات کا ایک غیر متناہی سلسلہ نہ تھا، بلکہ جابجا ریگستان اور جنگل راستہ مین حائل تھے، اس کے علاوہ یہان ایسے زبردست اور ناقابل گذار دریا تھے جنکا مقابلہ گرون، لائر، اور سین

کسی طرح نہ کر سکتے تھے، اور ترمذ کے مقام پر دریائے جیحون کو عبور کرنے کے بعد ماوراء النہر کے دار السلطنت سمرقند تک راستے مین زبردست پہاڑون کو طے کرنا پڑتا تھا، اس کے مقابلے مین ناربون سے تورس تک کوئی ایسا دشوار گذار راستہ نہ تھا، جہان تک سیاسی اتحاد کا تعلق ہے اس کا یہ حال تھا کہ فرنیگ قوم مین یہ اتحاد محض نام نہاد کے لئے تھا، اور فوجی ضروریات کے لحاظ سے اس کا عدم اور وجود دونون برابر تھے، اس طرح بہ اس مین اور ماوراء النہر مین کوئی فرق نہ تھا، بلکہ ماوراء النہر کو اپنی مقابلۃً بہتر تہذیب اور باشندون کی قوت مقاتلہ کی برتری کی وجہ سے فرانس پر کچھ نہ کچھ فوقیت ہی حاصل تھی،

مذکورہ بالا بیانات سے مسئلہ زیر بحث کے حل کرنے مین مدد ملنے کے بجائے اور زیادہ وقت پیدا ہو جاتی ہے، سوائے اسکے کہ ہم یہ مان لین کہ اس وقت ماوراء النہر کی تمدنی حالت فرانس کے مقابلے مین بہت بہتر تھی اور اس کو اس مسئلہ کا حل قرار دے لین، لیکن اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ ماوراء النہر مین کیا کیا خوبیان تھین جو اس زمانہ مین فرانس کو حاصل نہ تھین؟ اسکا جواب شائد اس کے سوا کچھ نہین ہو سکتا کہ اس سے قبل اور اس وقت بھی ماوراء النہر بین الاقوامی تجارت اور آمد و رفت کا راستہ تھا

لے یہان پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا حقیقی حل یہ ہے کہ فرانس بنی امیہ کے دار الخلافہ یعنی دمشق سے ماوراء النہر کے مقابلہ مین بہت دور واقع تھا، اور اسی وجہ سے عرب اس کو فتح نہ کر سکے، یہ صحیح ہے کہ دمشق سے ناربون تک فاصلہ خشکی کے راستہ سے براہ شمالی افریقہ اور جبل الطارق مرو کے فاصلے کے مقابلہ مین تقریباً دگنا ہے، لیکن دو وجوہ کی بنا پر اس واقعہ کی اہمیت بالکل جاتی رہتی ہے، اول، خلافت کے مرکز سے خشکی کے راستہ کے علاوہ شمالی و مغربی محاذ کو ایک بحری راستہ بھی جاتا تھا، یعنی بحیرۂ روم کے ساحل پر اسکندریہ سے بارسلونہ کو، حالانکہ ایسا کوئی راستہ شمال مشرقی محاذ کو نصیب نہ تھا، یہان یہ دریافت کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہین نازک وقت مین قسطنطینیہ نے اپنی بحری فوقیت کو کہان تک اہل فرانس کی مدد مین استعمال کیا تھا، بحیرہ روم مین عربون کی نقل و حرکت کو کہان تک روکنے کی کوشش کی تھی، جہان تک ہم کو معلوم ہے اس امر کے متعلق اس وقت کوئی خاص شہادت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) محفوظ نہین، لیکن اگر بازنطینی اور عربی بحری قوتون کے توازن کو خیال مین رکھین تو بھی یہ باور نہین کیا جا سکتا کہ قسطنطنیہ نے اس راستہ کی بالکل ناکہ بندی کر دی تھی، اور جہان تک اس راستہ کا تعلق تھا یہ خشکی کے راستہ کے مقابلہ مین زیادہ آسان اور مختصر تھا، بہ نسبت اس راستہ کے جو براہ خشکی شام سے خراسان جاتا تھا، دوسرے یہ امر بہت مشکوک ہے کہ شام سے سرحد کے جنگی محاذون کا قرب یا بعد جنگ پر کوئی اثر بھی پیدا کرتا تھا یا نہین، کیونکہ تاریخی شہادتون سے اس کا کافی ثبوت مل سکتا ہی کہ بنی امیہ اور ان سے قبل اشکانی بادشاہون کے زمانہ مین مرکزی حکومت کی شاہی فوجین شاذ و نادر ہی سرحدی جنگون وغیرہ مین حصہ لیتی تھین، یہ جنگین خواہ کتنے ہی بڑے پیمانہ پر کیون نہ شروع کیجائین، محض مقامی فوجون کے زور پر لڑی جاتی تھین، اور بنی امیہ کے زمانہ مین ان مین اکثر وہ عرب شامل ہوئے تھے جنکو اسی قسم کے جنگی کامون کے لئے ان صوبون مین بسایا جاتا تھا، ان کے بعد اگر ضرورت پڑی تو خود اس صوبے کے وفادار باشندون کو بھرتی کر لیا جاتا تھا، یہ یقینی ہے کہ صوبون مین عربی فوجی عنصر بہت محدود تھا اور جب کبھی سپہ سالارون کو مزید کمک کی ضرورت ہوتی تھی تو بجائے اس کے کہ وہ دمشق سے عربی فوج طلب کرین وہ خود اسی صوبے کے وفادار اور قابل اعتماد باشندون کو فوراً فوج مین بھرتی کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیا کرتے تھے، چنانچہ جب قتیبہ بن مسلم نے ماوراء النہر پر اور عبد الرحمن الغافقی نے فرانس پر حملہ کیا ہے تو ان دونون کی فوجون مین عرب خال خال ہی دکھائی دیتے تھے، اور قوت کا زیادہ تر انحصار خراسان کے ایرانیون اور شمالی افریقہ کے بربریون پر تھا، ان وجوہ کو خیال مین رکھتے ہوئے یہ کہنا از قیاس بعید معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مرکز سے ماوراء النہر کا قرب اور فرانس کا بُعد عربون کی کامیابی اور ناکامی کا اصل راز ہے،

مسٹر ایچ، اے، آر، گب نے مصنف نے مذکورہ بالا باتون کا ذکر کیا تو انھون نے یہ رائے ظاہر کی کہ دونون وجوہ کو حد سے زیادہ اہمیت دینا درست نہین، اور یہ ممکن ہے کہ محاذون کے بعد مسافت نے حقیقت مین عربون کی جنگی حالت پر اثر ڈالا ہو، مسٹر گب نے اس نوع کی تمام شہادتون پر تفصیل کے ساتھ غور

حالانکہ فرانس اس وقت ایک نیم متمدن ملک ہونے کے علاوہ تمام مہذب دنیا سے بالکل الگ ایک کونے مین پڑا ہوا تھا، اور اس پر کسی قسم کا بیرونی اثر نہین پڑا تھا، اس فرق کو مسئلۂ زیر بحث

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہین کیا، مگر ان کا خیال ہو کہ ہم کو بہ مشکل ایسی کوئی شہادت دستیاب ہو گی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ عربون نے شام اور اندلس کے درمیان آمد و رفت کے لیے کبھی بحری راستہ اختیار کیا تھا، اس کے برعکس اس امر کی بے شمار شہادتین موجود ہین کہ وہ شمالی افریقہ کا خشکی کا راستہ استعمال کیا کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ عربون نے قسطنطنیہ کے مقابلے کے لیے بحیرۂ روم مین ایک جنگی بیڑا تیار کر لیا تھا، لیکن انھون نے اس بیڑے کو فرانس پر حملہ کرنے کے لئے کبھی استعمال نہین کیا، دوسری مشکل یہ تھی کہ خشکی کے راستہ مین ہمیشہ شمالی افریقہ کے بربریون کی طرف سے خدشہ رہتا تھا، اور مزید بران اندلس مین بربری فوجون اور نو آباد کارون کی وجہ سے ہر وقت امن مین خلل پڑنے کا اندیشہ تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اندلس کو بعض اوقات اپنے حال مین چھوڑ دینا پڑتا تھا چنانچہ جنگ تورس کے بعد کے نازک موقع پر ۱۱۴ھ ۷۳۲ء مین ایسا ہی کرنا پڑا تھا، اس کے مقابلے مین اگرچہ جنگ شعب تورس کے نسبت زیادہ خطرناک تھی مگر خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے عراق کی فوجین بھیج کر خراسان کو مستحکم کر دیا اور شاید شام سے بھی فوجین بھیجین اور اس طرح پر خطرہ کو زائل کر دیا، یہی حالت حارث کی بغاوت کے وقت ہوئی، یہ صحیح ہے کہ ۱۲۳ھ ـ ۷۴۱ء مین شامی فوجین مصری کمک کے ساتھ افریقہ بھیجی گئی تھین مگر ان کا مقصد اندلس کو تقویت پہنچانا نہ تھا، بلکہ محض بربریون کی بغاوت کو فرو کرنا تھا، بہرکیف اس فوج کو مراکش مین بربریون نے ایسی سخت شکست دی کہ اس کا نام و نشان تک مٹ گیا، مسٹر گب کا یہ بھی خیال ہے کہ ماوراء النہر مین عربون کی تندہی اور لگاتار کوشش کی وجہ سے زیادہ کامیابی ہوئی، ایک طرف تو وہ ایرانی سطح مرتفع مین سے ہوتے ہوئے ماوراء النہر کی طرف بڑھ رہے تھے، اور دوسری طرف خلیج فارس کے راستہ سے انھون نے دریائے سندھ کے میدان پر حملے شروع کر دیئے تھے، چنانچہ جس وقت قتیبہ بن مسلم وسط ایشیا مین فتوحات حاصل کر رہا تھا اسی زمانہ مین سندھ مین بھی عرب

مین بہت اہمیت حاصل ہے، چونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آٹھوین صدی عیسوی مین فرانس کی آبادی کے لیے کوئی خاص تجارتی دلچسپی ایسی نہ تھی جس پر عربون کے ساتھ ان کے تعلقات کا برا یا بھلا اثر پڑتا، اس زمانہ مین ان کا کام صرف زراعت تھا، اور جو کچھ تھوڑی بہت تجارت فرانس اور دنیا کے دوسرے ملکون مین تھی وہ سب کی سب اطالویون، شامیون یا دوسرے غیر ملکیون کے ہاتھ مین تھی، اس کے بالکل برعکس جیسا کہ مسٹر گب نے ظاہر کیا ہے ماوراء النہر کی دولت کا تمام تر دار و مدار تجارت پر تھا، وہان کے بیشمار اور معمور شہر محض نخلستانون کی پیداوار پر زندگی بسر نہ کر سکتے تھے، کیونکہ خواہ آب پاشی کا طریقہ کتنا ہی اعلیٰ درجے کا کیون نہ ہو نخلستانون کی وسعت پانی کی کمی کی وجہ سے محدود تھی، ایسے ملک کے لیے بین الاقوامی تجارت نہ صرف مزید دولت پیدا کرنے کا ایک مشغلہ تھی، بلکہ اسی تجارت پر وہان کے باشندون کی زندگی کا دار و مدار تھا، اس لیے جون جون عربون کی ترکتازیان بڑھتی جاتی تھین ان کی تجارت کو نقصان پہنچتا تھا اور اسباب معیشت کم ہوتے جاتے تھے، جنگ کا ابتدائی زمانہ قتیبہ بن مسلم کی فوجی مہم کے آغاز یعنی ۸۶ھ ۷۰۵ء سے شروع ہوتا ہے، اس وقت سے لیکر ۹۱ھ ۷۱۰ء تک بظاہر کوئی نقصان تجارت کو نہین پہنچا تھا، اور ماوراء النہر کی خود مختار ریاستون نے اس عربی حملہ کو اس وجہ سے اُس وقت زیادہ اہمیت نہین دی تھی کہ عرب ساسانیون کے جانشین تھے اور ماوراء النہر اور ساسانیون کی تقریباً ہر وقت جنگ چھڑی رہتی تھی، ساسانی جنگون کے دوران مین مدائن کی حکومت نے ایک سے زیادہ موقعون پر ماوراء النہر کی تجارت کو قید و بند لگا کر نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اُسے کوئی مہلک صدمہ نہ پہنچا سکے تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آگے بڑھ رہے تھے، اس کے برخلاف جنید کے خراسان مین تبدیل ہونے کے بعد عربون نے صرف یہی کوشش کی کہ کسی طرح اپنے قدم سندھ مین جمائے رکھین، اور انھون نے اپنی تمام فوجی قوت ماوراء النہر پر ختم کر دی ۱۲۱ھ۔ (مصنف)

چونکہ سغدی تاجرون نے انتہائی جرأت اور عقلمندی سے کام لیکر دوسرے راستے معلوم کر لیے تھے جن کے
ذریعہ سے وہ اپنا مال بحیرۂ روم کے خریدارون تک پہنچا دیا کرتے تھے، مثلاً ۵۶۸ء مین خانہ بدوش
ترکون کے خاقان کی طرف سے ایک سفارت قسطنطنیہ کے دربار مین آئی تھی، اس مین ماوراء النہر
کا ایک بادشاہ بھی شامل تھا، سفارت کا مقصد یہ تھا کہ بحیرۂ خزر کے شمال کا تجارتی راستہ ان کے لئے
کھول دیا جائے تاکہ اس پر ایرانی سلطنت کا کوئی دباؤ نہ پڑ سکے، اگرچہ بظاہر اس سفارت کا افسر
خاقان کا ایک نمائندہ تھا، لیکن ممکن ہے کہ وہ ماوراء النہر کے تاجرون کی طرف بھیجی گئی ہو، اسکے علاوہ
مشرق وسطی اور مشرق قریب سے ان کی تجارت تھوڑی مدت کے لیے بند بھی کر دی جائے تو
بھی مشرق بعید اور ہندوستان کی تمام تجارت کا اجارہ ان کے پاس رہ جاتا تھا اور یہ تجارت
اس قدر وسیع تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے وہ ہر قسم کی معاشی مصیبتون سے محفوظ رہ سکتے تھے ۷۱۹ء
تک تو یہی حالت تھی، لیکن اس کے بعد اس مین اچانک تبدیلی واقع ہوئی، اور اس تبدیلی کی
وجہ سے ماوراء النہر کی تجارت کو نقصان پہنچا یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ۷۲۰ء مین، ترکون کے
خانہ بدوش قبیلے ترگیش نے عربون اور ماوراء النہر کی ریاستون کی جنگون مین دخل دینا شروع کیا
انھون نے ان جھگڑون مین دو وجہون سے دخل دیا، اول چینگ نگمن کے نمایندون کی حیثیت
سے اور دوسرے خود ماوراء النہر کے مددگارون کے طور پر، اور جہان تک عربون سے لڑنے کا
کا تعلق تھا انھون نے اس کا پورا حق ادا کیا، سترہ برس تک انھون نے عربون کو محض مدافعت
پر مجبور کئے رکھا، ان کو شکستین دین اور آخر کار ان کو رفتہ رفتہ دریائے جیحون کے پار تمام قلعون
کو چھوڑنا پڑا، مگر ماوراء النہر کے باشندون کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ حقیقت مین خود ترک انکے
لیے آخر ایک لازوال مصیبت ثابت ہونگے، ترگیش برائے نام چین کی مہذب حکومت کے ماتحت
تھے، مگر ان پر کسی قسم کی نگرانی چین کی حکومت کی نہ تھی، اور معلوم یہ ہوتا کہ اس موقع پر ترگیش نے

بالکل نئے سرے ہوکر ایسی ابتری پھیلائی تھی جو خانہ بدوش اقوام کے متمدن اقوام پر قابو پا لینے کے بعد
اکثر پھیل جایا کرتی ہے، مشرقی تجارت کے راستے پہلے مسدود ہو چکے تھے، اور جب ترگیش نے
بالائی جیحون کو عبور کر کے عربون کو طخارستان سے باہر نکالنا شروع کیا تو تجارتی معاملات مین اور
زیادہ ابتری پھیلی، اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے درمیان تجارت کے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گیے
اسی اثنا مین ترگیش کے بالادست چینی حکام اپنے ان مفسد باجگزارون سے اس قدر تنگ آگیے
تھے کہ جب اسد بن عبد اللہ القسری نے ۷۳۷ء کے آخر مین ترگیش کے خاقان کو جوزجان اور
خراسان مین شکست دی تو چینیون نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ترگیش کی جمعیت کا خاتمہ کر کے
تمام قبیلہ کو پراگندہ کر دیا، قرین قیاس بات یہ ہے کہ چونکہ ماوراء النہر کی تجارتی جماعتون نے ترگیش
کی وجہ سے نقصان اٹھایا تھا اس لیے چینی حکومت کی نسبت ان کو ان ترکون سے نفرت تھی، اور
یہی وجہ تھی کہ اسد اور اس کے جانشین نصر کی صلح و آشتی کی حکمت نے فوراً اپنا اثر پیدا کرنا شروع
کیا، اور عربون کو بہت جلد اس مین کامیابی حاصل ہو گئی،

۷۳۶ء مین معلوم ہوتا ہے کہ طخارستان کے ایرانی امراء کے ساتھ سمجھوتا ہو چکا تھا.
بلخ جو اس سے قبل کی جنگون مین تباہ و برباد ہو گیا تھا اب خود اسد کی نگرانی مین نئے سرے سے
تعمیر کیا گیا، تاکہ عربی نظم و نسق کے مرکز کے طور پر مرو کا جانشین ہو سکے، یہ اسد کے ترگیش کو شکست
دینے سے ایک سال قبل کا واقعہ ہے، اور اس جنگ کے دوسرے سال یعنی ۷۳۸ء مین نصر بن
سیار نے ایک اعلان کے ذریعہ سے عام معافی اور تمام حقوق دے کر اسد کا کام بالکل مستحکم اور
مستقل کر دیا، اس سے قبل بھی عربی حکومت نے غیر عرب اقوام اور غیر اسلام مذاہب کے ساتھ
ایک قسم کی خاص مسامحت برتی تھی، مگر اس موقع پر نصر کا یہ اعلان خصوصیت کے ساتھ عربونکی
حکمت سے بالکل مستثنیٰ معلوم ہوتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو نصر نے بالکل نادانستہ طور پر اسکندر رومی

کی پیروی کی تھی جس نے خود، جہان تک ہم کو علم ہے، اس اشکانی بادشاہ کی حکمت عملی پر عمل کیا تھا جس نے سب سے پہلے ماوراء النہر کے علاقہ کو ایرانی حکومت مین ضم کیا تھا، بہرحال سنہ ۷۳۸ء مین نصر بن سیار نے ماوراء النہر کے باشندون کے سامنے سیاسی غلامی، یا معاشی بربادی سے بچنے کے لیے ایک عزت آمیز طریقہ پیش کیا، ان سے یہ کہا کہ اگر وہ عربون کی سیادت چند قابل برداشت شرائط کے ساتھ قبول کرلین تو نہ صرف ان کی تجارت حسب سابق بحال ہو جائے گی بلکہ ان کو ایسی خوش حالی نصیب ہو گی جو شاید گذشتہ ہزار سال سے ان کو میسر نہین آئی، اگر ایک مرتبہ وہ سیاسی اعتراضات جو اس علاقے کو عربی حکومت مین ضم کر دینے کے متعلق کئے جا سکتے تھے حل کر دیئے جائین تو کوئی شبہہ نہ تھا کہ اس انتظام سے ماوراء النہر کے لوگون کو بہت سے معاشی فائدے حاصل ہو جائین گے، کیونکہ ان کی جنوب مشرقی سرحد پر ایک مستقل فوجی محاذ کے بجائے ماوراء النہر کے تاجرون کے لیے ایک ایسا علاقہ تجارت کے لیے کھل جاتا جو خراسان سے لیکر بحیرۂ روم تک اور بحیرۂ روم سے بحر اوقیانوس تک پھیلا ہوا تھا، اس کے علاوہ عرب کے سیاسی مدبرون نے فوراً ان تجارتی علاقون کو دوبارہ کھول دینے کی کوشش شروع کر دی جو وسط ایشیا سے ہوتے ہوئے مشرق بعید کو جاتے تھے، چنانچہ سمرقند کو دوبارہ فتح کرنے کے بعد[1] (غالباً سنہ ۷۳۹ء مین) نصر نے ایک سفارت چین بھیجی اور اس کے بعد سنہ ۷۴۴ء مین اس سے بھی ایک زیادہ شاندار سفارت چین گئی، جسکا بظاہر مقصد یہ تھا کہ جہان تک ممکن ہو تجارتی تعلقات کو باضابطہ طور پر مکمل کر دیا جائے، اس سفارت مین عربون کے ساتھ نہ صرف سغد اور طخارستان کے ایلچی تھے بلکہ زابلستان، ششن اور ترگیش تک کے سفیر شامل تھے، ان کے علاوہ سنہ ۷۴۵ء اور سنہ ۷۴۶ء مین دو اور سفارتون کو پتہ چلا ہے[1]، زابلستان کے سفیرون کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی بری تجارت

[1] مسٹر گب کی کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۹۲۔

کے راستہ کو کھول دینے کی تدابیر اس سے پہلے عمل مین آچکی تھین،

یہ تمام واقعات، جن پر مسٹر گب نے نہایت وضاحت اور تفصیل سے بحث کی ہے، اس امر کے ظاہر کر دینے کے لیے کافی ہین کہ عربون کو سنہ ۷۱۲ء مین ماوراء النہر کی تسخیر مین اس قدر آسانی کیون ہوئی، اور یہی اسباب ہین جنکی بنا پر ہم بآسانی سمجھ سکتے ہین کہ عربون کو فرانس کی فتح مین کیون اس قدر تکلیفین برداشت کرنی پڑین اور آخر ان کی تمام کوششین رائیگان گئین، اگوٹین اور نیوسٹریا کے باشندون کے سامنے کوئی ایسا تجارتی مسئلہ نہ تھا جسکی وجہ سے ماوراء النہر کے باشندون کو مصیبتین اُٹھانی پڑین، فرانس مین بیرونی تجارت کا تقریباً نام ونشان تک نہ تھا، اور اس لیے کسی بیرونی طاقت سے جنگ کے موقع پر وہان کے رہنے والے اس قسم کے نقصان سے بالکل بے فکر تھے، وہ اپنی سیاسی آزادی کو قائم رکھنے کے لیے لڑتے وقت اس آزادی کے ساتھ ساتھ اپنے کھیتون کی بھی حفاظت کرتے تھے، اور یہی کھیت تھے جن مین ان کی تمام دولت مخفی تھی، چونکہ جیسا کہ اس سے قبل ظاہر کر دیا گیا ہے کہ وہ لوگ زراعت پیشہ تھے، اس کے علاوہ جب انھون نے اپنی بالادست حکومت یعنی اہل آسٹریشیا کو اپنی مدد کے لیے بلایا تو ان کو کسی ایسے حادثہ کا خطرہ نہ تھا جو ماوراء النہر کے باشندون کو ترگیش کی مدد کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا،

اگر یہ تمام دلائل صحیح مان لیے جائین تو آٹھوین صدی عیسوی مین ماوراء النہر کی اعلیٰ درجے کی تمدنی حالت یا بالفاظ دیگر وہان کی تجارتی ترقی مین عربی فتح کا راز مضمر ہے، اور اسی وجہ سے اہل ماوراء النہر نے وہ نہایت قیمتی اور پہلا موقع ایک نئی اور بالکل اچھوتی تہذیب قائم کرنے کا کھو دیا، اس کے برعکس فرانس کیونکہ نیم وحشی تھا اور کوئی تجارتی فوائد اس کو حاصل نہ تھے اس لیے اس نے اپنی خود مختاری کو قائم رکھا، اور ایک ایسی تہذیب دنیا کو دی جس کی ترقی اس وقت تک جاری ہے اور جس سے اس وقت ہم مستفید ہو رہے ہین

ڈنمارک مین علوم مشرقیہ کی تاریخ

مترجمہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین،

ڈنمارک مین مشرقی علوم کی تاریخ پر نظر ڈالنے کے لئے اس زمانہ کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، جبکہ وہان اصلاحات مذہبی کی ابتدا ہو کر پروٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد پڑی تھی، اس مذہبی تحریک نے فطرۃ طبیعتون کو توراۃ کی جانب متوجہ کر دیا تھا، اسلئے عبرانی زبان کی تحصیل ضروری ہو گئی تھی، شروع شروع ۱۶۱۴ء مین عبرانی زبان کی تعلیم کے لئے یہان ایک پروفیسر کا تقرر عمل مین آیا، پھر سترھوین صدی کے آغاز مین دیگر مشرقی علوم کے لئے ایک دوسرے ماہر کا اضافہ کیا گیا،

ڈنمارک نے مشرقی علوم کے لحاظ سے سولھوین صدی مین کوئی نمایان کارنامہ انجام نہین دیا معمولی طریقہ پر کچھ ادبی آثار پیدا ہوئے، تقریباً یہی حال سترھوین صدی کا ہے اس صدی کی سب سے امتیازی خصوصیت یہی ہو سکتی ہے کہ ڈنمارک کا ایک باشندہ تھیوڈور پٹراس نامی ۱۷۵۵ء یا ۱۷۵۶ء مین حکومت کی طرف سے مشرقی ممالک مین علمی سیاحت کے لئے بھیجا گیا، اس نے اجنبی ممالک اور بالخصوص ہالینڈ مین جاکر عربی، حبشی، قبطی اور خصوصاً ارمنی زبان سیکھی، توراۃ کے چند اجزا حبشی زبان مین شائع کئے اور ۱۷۶۶ء مین توراۃ کا جو ترجمہ شہر امسٹرڈام مین ارمنی زبان مین کیا جارہا تھا، اس نے اس ترجمہ مین بھی ہاتھ بٹایا،

اٹھارہوین صدی مین مشرقی علوم کا یہ امتیازی رنگ پیدا ہوا کہ ان سے یورپ کے ملکون مین اور خصوصاً جرمنی مین دیگر علوم کے پہلو بہ پہلو دلچسپی لیجانے لگی، چنانچہ اسی صدی مین دو مستشرق، او، جاہارڈ ٹائشن اور تھامس کریسچن ٹائشن، اسی سرزمین سے پیدا ہوئے، یہ دونون خاص ڈنمارک کے باشندے تھے،

ان کا مولد صوبہ سلشویق ہے انھون نے جرمنی مین تحصیل علوم کے بعد وہین تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا،

اسی صدی مین پروفیسر کال نے کوپنہاگ یونیورسٹی مین قرآن مجید اور دیگر عربی علوم کا درس جاری کیا، ۱۶۵۵ء مین عربی نحو مین ایک کتاب شائع کی (۱۷۶۵-۱۶۷۰) مین پروفیسر رسنگارد نے عربی ضرب الامثال کا ایک مجموعہ تیار کر کے شائع کیا،

اٹھارہوین صدی ڈنمارک مین علوم مشرقیہ کے لحاظ سے علمی سفرون کی صدی ہے، ۱۷۳۷ء مین ایک بحری افسر فریڈریک لاڈنگ نارڈن نے مصر کی جانب کوچ کیا، اور وہان جاکر وہان کے مشہور مقامات، عمارات، اور قدیم یادگارون کا نقشہ کھینچا، لیکن افسوس کہ اسکی حیات مین اس کے سفرنامہ اور ان نقشون کے شائع ہونے کی نوبت نہ آئی، اسکی وفات کے زمانہ دراز کے بعد ۱۷۵۵ء مین وہ سفرنامہ "مصر و نوبہ" کے نام سے شائع ہوا، پھر اسکے دو ترجمے انگریزی مین ہوئے انگریزی سے وہ فرانسیسی زبان مین منتقل ہوا، اس سفرنامہ مین سب سے اہم ان مصری عمارتون کا حال تھا جو وہان نپولین بوناپارٹ کے حملہ سے پہلے موجود تھین،

اسی طرح ڈنمارک کا ایک دوسرا شخص جارج ہیر سٹیج ہوسٹ نامی آٹھ برس مراکش مین مقیم رہا، اس نے وہان متعدد قابل قدر قلمی کتابون کے نسخے حاصل کئے اور ۱۷۸۱ء مین اپنی دیسی ڈنمارک کی زبان مین، "حالات مراکش اور فارس"، ایک کتاب شائع کی اس کے ترجمے فرانسیسی اور جرمنی زبان مین ہوتے گئے، پھر ۱۷۹۱ء مین شاہ مراکش محمد بن عبد اللہ کی سوانح حیات مرتب کر کے شائع کی،

اس صدی کی سب سے عظیم الشان نمایان خصوصیت یہ ہے کہ ۱۷۶۱ء مین شاہ ڈنمارک نے ملک عرب کی جغرافی تحقیقات کے لئے ایک وفد جو پانچ آدمیون پر مشتمل تھا مرتب کیا، ارکان وفد مین ایف، اس، ہاون، یو، فورسکل (فنلینڈ) اور وی سی، نیوبر (جرمن) تھے، چونکہ اس وفد کے تمام اخراجات شاہ ڈنمارک نے ادا کئے تھے، اس لیے یہ کارنامہ خاص حکومت ڈنمارک کی طرف منسوب

کیا جائے گا، اسکی مفصل رپورٹ ۱۸۶۲ء مین جرمن اور فرانسیسی زبان مین شائع ہو چکی ہے،

علوم عربیہ کے لیے اٹھارہوین صدی کا نصف آخر کامیاب ثابت ہوا ہے، جی، سی، اڈلر (۱۷۵۶ء – ۱۸۳۴ء) نے شاہی کتب خانہ کی قلمی کتابون کا ایک ملخص مجموعہ کی صورت مین تیار کیا اور ۱۷۸۰ء مین بعض کتابون کے متعلق مفصل معلومات شائع کین، وہ ان کوفی کتبون سے جو ان کے زیر تحقیق تھے گہری دلچسپی رکھتے تھے ان کی چند تصانیف "سکے اور ان کے کتبون" پر شائع ہوئین، اور نقود عربیہ کی تاریخ کا نقشہ بھی تیار کیا،

ان کے اہم کارنامون مین (۱۷۸۹ء – ۱۷۹۴ء) تاریخ ابی الفدا کا پانچ جلدون مین لاطینی ترجمہ اور اسکی اشاعت ہی، لیکن یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کتاب کے اصل ناشر مستشرق ریسکی ہین، اڈلر نے طباعت کے وقت قلمی نسخہ پر محض نظر ثانی کی تھی، جس زمانہ مین اڈلر کے اہالیان مشرق سے ذاتی تعلقات تھے انھین ایام مین تاریخ دروز پر چند مباحث اس نے شائع کئے تھے،

(۱۷۸۵ – ۱۸۲۶ء) مین مستشرق جے این راسموسین نے تاریخ عرب پر توجہ مبذول کی ۱۸۱۴ء مین روس اور سویڈن، ناروے سے عربون اور ایرانیون کے تعلقات" پر ایک نادر کتاب شائع کی پھر اس کا ترجمہ انگریزی، فرانسیسی اور لاطینی زبان مین ہوتا گیا،

۱۸۱۷ء مین، تاریخ عرب قبل الاسلام لکھی جس کے آخر مین ایک مفید ضمیمہ بھی تھا،

(۱۸۲۱ء – ۱۸۲۵ء) مین اسلامی تاریخ اور کوپنہاگ کے شاہی کتب خانہ کی قلمی کتابون کے چند متعلقہ اقتباسات شائع کئے، آخر مین اس نے الف لیلہ کا ترجمہ شروع کیا تھا، لیکن دست اجل نے فرصت نہ دی، انھی دنون دو ڈنمارکیون نے علم آثار اور تاریخ مشرق کا مطالعہ شروع کیا، ان مین سے ایک مسٹر جی، زدیگا نے رومیون کے زمانہ کے مصری حالات پر کچھ کام کیا، اور (۱۷۵۵ء – ۱۷۹۶ء) مین مصر کی بعض عمارتون پر ایک کتاب لکھی اور (۱۸۱۰ء) مین اٹلی مین قبطی قلمی کتابون کی فہرست کے ضمن مین

قبطی زبان کی بعض عبارتین ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئین اور ان پر حواشی لکھے، یہی وہ تصنیف ہے جس کے متعلق علماء کا خیال ہے کہ یہ کتاب قبطی زبان کی تعلیم پر پہلی علمی تنقید ہے،

دوسرا شخص مسٹر الیف مونٹر ہے جس نے قدیم یونانی اور سامی عمارات، سکے، مذاہب، اور کتبون پر کافی مباحث شائع کئے، اسکی دو کتابین ہمیشہ یادگار رہینگی ایک اس نے کارتھیجیون کے مذہب پر لکھی ہے اور دوسری قدیم فارسی خط مسماری پر ہے، اس خط کی طرف ان کتبون نے توجہ کو جلب کیا جنکو نیبر نے اصطخر (پرسوپولس) سے نقل کیا تھا، چنانچہ ونٹر نے مسماری کتبون پر ایک فاضلانہ تنقید لکھی، اسی تنقید نے ان کتبون کی تشریح و توضیح کا ایک راستہ پیدا کر دیا، ماہر لغات مسٹر سی، راسک نے جو السنہ کے تقابل مین کافی مہارت رکھتے تھے، صرف الزبان کی اوسکے حسب مناسب ترتیب" پر قناعت نہین کی بلکہ خاص خاص زبانون کو معراج ترقی پر پہنچانے مین انھون نے کافی جدوجہد کی،

فارسی اور ہندوستانی زبان کی تحصیل کے لیے فارس و ہند کا سفر کیا، وہان بیش قیمت قلمی کتابین حاصل کین جو آج تک کوپنہاگ مین محفوظ ہین، لیکن افسوس کہ ان کے قوی نے جواب دیدیا اور ان کو اپنے جمع کردہ مواد سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکا، ۱۸۲۶ء مین ژندی زبان (قدیم فارسی) پر ایک رسالہ لکھا اور قدیم فارسی زبان کو جدید اسلوب پر تعلیم دینے کی بنیاد ڈالی، اور اپنے دوران سفر مین اصطخر کے مسماری کتبون کی بھی توضیح کرنے کی کوشش کی،

راسک کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انڈو یورپین (سنسکرت اور یورپ کی زبانون) پر کافی توجہ کی، عربی کے سلسلہ مین اس کے معمولی کامون مین یہ ہے کہ اس نے حکایات لقمان کو ایک تنقیدی تبصرہ کے ساتھ شائع کیا،

علمی مطالعہ و تحقیقات کے وہ تمام کام جنکی ابتدا مسٹر راسک سے ہو چکی تھی وہ این، ویسٹر گارڈ (۱۸۱۵ء – ۱۸۷۸ء) کے ہاتھون تکمیل کو پہنچے کیونکہ اس نے بھی ہندوستان اور ایران کا سفر کیا اور قلمی

کتابون کے وہ تمام نسخے جو راسک سے نامکمل رہ گئے تھے انھین مکمل کر دیا، اور فارسی مسماری کتبون کی از سرِ نو نقلین لین اس کے منقولہ مسماری کتبے جدید مباحث کے لئے بے انتہا مفید ہوئے، اور اس نے خود ان کتبون کے حل کرنے مین پوری کوشش کی،

اس نے ایران اور ہندوستان کی قدیم زبانون کی جو خدمتین کین ان مین سے ایک یہ ہے کہ (پارسیون کی مذہبی کتاب) ژنداوستا کو اس نے چھاپکر شائع کیا ہے اور سنسکرت زبان کے افعال کا ایک لغت اور اس زبان کی نحو پر ایک رسالہ لکھا، اس کے بعد ایک اور ماہر الیف، فاسبل (۱۸۲۱ء۔ ۱۸۹۱ء) پیدا ہوا، جس نے اپنی عنان توجہ پہلوی زبان کی طرف منعطف کی، کیونکہ ٹرنکنز المتوفی سنہ ۱۸۹۱ء نے پہلوی زبان کی چند عبارتین شائع کین تھین اس لئے فاسبل نے بھی اس زبان کے چند اقتباسات بہم پہنچائے تاکہ پہلوی زبان کے لغت کی تالیف کے لئے ایک ذخیرہ موجود ہو جائے، چنانچہ ہمارے موجودہ زمانہ کے پروفیسر انڈرسن بھی اسی جد وجہد مین مصروف ہین، امید ہے کہ عنقریب ان کے اعلی خدمات کے نتائج منصۂ شہود پر آجائین گے،

سورنسن (۱۸۳۰ء۔ ۱۹۰۲ء) ہندوستانی زبانون اور خصوصاً سنسکرت زبان سے دلچسپی رکھتا تھا، مہابھارت کے اشعار پر مختلف اہم مباحث شائع کر چکا ہے،

مسٹر ایچ راسموسن نے ڈنمارک کی زبان مین ہندی اور فارسی لٹریچر کے متعلق چند مضامین شائع کئے، انھین فارسی کا مطالعہ کرتے کرتے اسلامی تصوف کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو گیا، سنہ ۱۸۹۲ء مین حافظ شیرازی کے متعلق ڈنمارک کی زبان مین چند مباحث لکھے، مسٹر بی ٹاکسن نے جو فلسفۂ ہند اور اس کے مذاہب کے ماہر تھے فلسفیانہ ہندو مذاہب مین سے ایک مذہب پر جسکو جینی کہتے ہین ایک کتاب تالیف کی، نیز دوسرے مذاہب پر جنکی تعلیمات مختلف اسلوب سے نہایت دقیق ہین اکتابین لکھین،

اڈورڈ لیمان نے اصول مزدیہ (مجوسی) کا مطالعہ کیا اور مستند صحیح حوالون سے زردشت کی سوانح حیات مرتب کی،

ار، کرسٹینس ماہر فارسیات نے ساسانیون کی تاریخ کی ترتیب دی، اور خاص طور پر بلاد فارس کے اسلامی عہد کے حالات کا مطالعہ کیا، عمر خیام اور دیگر حکما، پر متعدد مباحث سپرد قلم کئے اور مشرق کے علم الاصنام اور کہانیون کے مطالعہ کا مشغلہ جاری کیا،

الیف، ایم، خان مہرین (۱۸۴۰ء۔ ۱۹۰۰ء) مدت سے سامی زبان کے مطالعہ مین مصروف ہین علوم اسلامیہ مین کافی شہرت حاصل کر چکے ہین، سنہ ۱۸۵۳ء مین انکی ایک کتاب "عربی علم معانی و بیان" پر جرمن زبان مین چھپی ہے، ان کے شغف علمی کے ثمرات عرب کے جغرافیہ دانون کی کتابین ہین سنہ ۱۸۶۶ء مین شمس الدین دمشقی کی ایک جغرافیہ کی کتاب شائع کی، (یہ اس کتاب کے علاوہ ہے، جو پروفیسر موصوف کی ڈنمارک کی زبان مین طبع ہوئی ہے) سنہ ۱۸۷۴ء مین اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان مین ہوا، پروفیسر موصوف فلسفۂ اسلامیہ کے محقق شمار کئے جاتے ہین، اسکی شہادت ان مباحث سے ملتی ہے، جو موصوف نے سنہ ۱۸۷۶ء مین ابو الحسن اشعری پر لکھے ہین، ابن سینا پر بھی مختلف رسائل ڈنمارک اور فرانس کی زبان مین لکھے، خصوصاً "رسائل ابی علی بن سینا" جو (سنہ ۱۸۸۹ء، سنہ ۱۸۹۳ء) مین لیڈن مین طبع ہوئے اپنے دوران قیام مصر (سنہ ۱۸۶۶ء۔ سنہ ۱۸۶۹ء) مین عربی کتبون کو نقل کرایا، پھر سنہ ۱۸۸۱ء مین اس کا مجموعہ وضاحت اور ترجمہ کے ساتھ ڈنمارک کی زبان مین شائع کیا پھر مدت کے بعد فرانسیسی زبان مین آیا، علاوہ ازین مصر کی عامی زبان پر ایک تبصرہ شائع کیا،

ان کے شاگرد مسٹر اویسٹروپ (المولود سنہ ۱۸۶۶ء) نے موجودہ مشرقی علوم سے گہری دلچسپی پیدا کی، الف لیلہ پر چند مباحث لکھنے کے بعد دو سال مشرقی ممالک مین گذارے، موصوف نے اپنی اس سیاحت کا ایک دلچسپ سفرنامہ لکھا ہے، اور ممالک زیر سیاحت کا جغرافیہ لکھا ہے، اور ملک

کی عامی زبان مین حکایات دمشق (۱۸۹۵ء) مین، شایع کی، مذہب اسلام کی تاریخ پر اپنی یادداشت شایع کی، اور اسلام پر ایک کتاب لکھی، اور عربی قصص و حکایات کے ترجمے چھاپے، اور ان کے علاوہ اہل ڈنمارک کی معلومات کے لئے وقتاً فوقتاً وہ مشرقی حالات پر رسائل اور اخبارات مین مضامین لکھا کرتے ہین،

مہرین کے جانشین مسٹر کے ابول نے سامیون کی تاریخ اور زبان کے متعلق بیش بہا خدمات انجام دی ہین، وہ خصوصیت کے ساتھ عبرانی اور عربی زبان سے دلچسپی رکھتے ہین، توراۃ پر ان کی متعدد شرحین ہین، علم نحو تاریخ یہود اور ان کے ملک کے جغرافیہ پر بھی کئی تصانیف ہین، اُنکی مشہور تصانیف مین عربی اور عبرانی زبان کا لغت ہے، انکی ایک تالیف "سیرت محمدؐ" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، جو براہ راست عربی کتابون اور محدثین (کرام) کی تصنیفات سے ماخوذ ہے، اور جو سنہ ۱۹۱۹ء مین ڈنمارک کی زبان مین شائع ہوئی ہے، حضرت علیؓ کی بھی سوانح حیات لکھی، اور قرآن (شریف) کے متعدد پارون کا ترجمہ ڈنمارک کی زبان مین کیا،

پروفیسر ڈبلو ایم شمیٹ اشور (اسیریا) اور مصر کے قدیم آثار پر کامل عبور رکھتے تھے، انھون نے اشور اور مصر کی تاریخ کے ساتھ چند کتبے شائع کئے جو آج تک ہمارے یہان عجائب خانہ مین محفوظ ہین اور قدیم عمارات کے حالات لکھے،

ایچ او، لانگ نے مصری علم آثار پر چند ایسے مضامین لکھے جن سے مشکلات کا حل ہوتا ہے،

بہتر ہے کہ ہم مشہور ماہر لغت ڈبلو، تھامسن کے خدمات کو بھی نظر انداز نہ کرین جنھون نے قدیم ترکی کتبون کو حل کر کے ترکی لٹریچر مین کافی ترقی دی، ڈبلو، گرونبیچ نے چند مباحث ترکی تلفظ اور لہجون پر شائع کئے، آج کل پروفیسر اسٹروپ ہماری یونیورسٹی مین ترکی زبان کی تعلیم دیتے ہین،

ہمارے یہان جس ہمت و حوصلہ کے ساتھ مشرقی زبان کی تعلیم کا انتظام ہے اس کا پتہ ہمارے یہان کے پروفیسرون کی تعداد سے لگایا جاسکتا ہے ان دو پروفیسرون کے علاوہ جو قدیم عبرانی

زبان پر درس دیتے ہین، یونیورسٹی مین اس وقت پروفیسر اندرسن، ہندوستانی زبانون کی تعلیم مین مصروف ہین، اور پروفیسر اسٹروپ اسلامی تمدن کے لئے اور تیسرے پروفیسر (اس مقالہ کا مؤلف) سامی زبان کی تعلیم کے لئے ہین، امید ہے کہ عنقریب کوئی پروفیسر اشوری زبان کے لئے پروفیسر شمیت کی قائم مقامی کرے گا،

(مجلة المجمع العلمی العربی نیسان سنہ ۱۹۲۵ء)

تلخیص و تبصرہ

سُلیمان بُستانی

ماہ گذشتہ مین مشہور ادیب سلیمان بستانی کے انتقال سے دنیائے علم و ادب مین ایک بہت عظیم سانحہ وقوع پذیر ہوا ہے، مرحوم حکومت عثمانیہ کے دستوری اعلان کے بعد بیروت سے مجلس مبعوثین ترکی کے نمایندہ منتخب ہوئے، پھر عہد بعہد ترقی کرکے وزارت کے عہدے پر سرفراز ہوئے، اسی اثنار مین جنگ عظیم چھڑ گئی چونکہ مرحوم جنگ مین ترکون کے داخلہ کے مخالف تھے اس لیے اونھین اپنے عہدہ سے دست بردار ہونا پڑا، پھر ترکی کی نشاۃ جدیدہ کے بعد انگورہ تشریف لے گئے لیکن نوجوانان ترک کے اصرار کے باوجود ضعیفی کی بنا پر سیاسی میدان مین قدم رکھنے سے محترز رہے، پھر اپنے آخری وقت امریکہ کے شامی دوستون کی دعوت پر امریکہ تشریف لیگئے وہان کچھ دن بھی نہ گذرے تھے کہ پیام اجل کو لبیک کہا،

مرحوم چار قدیم اور چھ موجودہ زبانون کے ماہر تھے، اپنے عالم شباب مین بطرس بستانی اور سلیم بستانی کے ساتھ صحافت کی لائن مین کام کرتے تھے پھر ان دونون کی وفات کے بعد دائرۃ المعارف کے اتمام مین مصروف ہو گئے، لیکن صرف چند اجزار لکھے، مرحوم کا سب سے نمایان علمی کارنامہ مشہور یونانی شاعر ہومر کی "الیڈ" کا عربی نظم مین ترجمہ ہے جو ۱۲۶۰ صفحون مین تمام ہوا ہے، اور شروع مین ۲۰۰ صفحے کا ایک مقدمہ ہے جس مین تاریخ الیڈ، "الیڈ" کا عربون کے ہاتھ آنا اور عربی اور یونانی شاعری کا موازنہ وغیرہ جیسے مباحث سپرد قلم کئے ہین،

ترجمہ کے دوران مین مصر، عراق، ہندوستان، قسطنطنیہ، یونان اور دیگر ممالک یورپ اور امریکہ وغیرہ کی سیاحت مین مصروف تھے، اس سلسلہ مین مختلف ممالک خصوصاً یونان اور قسطنطنیہ کے ادبا و

علماء کی خدمت مین "الیڈ" کا ترجمہ پیش کرکے تبادلۂ خیالات کرتے رہے،

(الہلال مصر)

جامع عمرو بن العاص

مصر کے اس سب سے قدیم جامع مسجد کی تعمیر ۲۱ھ د ۶۴۲ء مین حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کی نگرانی مین انجام پائی، اس کا سنگ بنیاد چار صحابہ حضرت ابوذر غفاری حضرت ابو بصرہ، حضرت محمد بن جزئی زبیدی اور نبیہ بن صواب مہری کے مقدس ہاتھون سے رکھا گیا،

اس کی تعمیر اوّل کے وقت اس کا طول ۵۰ اور عرض ۳۰ گز تھا پھر ۲۱۲ھ مین اس کی وسعت ۱۹۲ اور ۵۰ گز ہوگئی اور اب ۱۸۰ اور ۱۲۰ میٹر ہے (ایک میٹر ایک گز ۳ گرہ کا ہوتا ہے)

امیر اسامہ بن یزید نے جامع مسجد کے اندر بیت المال کا دفتر قایم کیا اور ۳۰۲ھ مین وزیر ابو الفرج یعقوب بن کلس نے بیت المال کی عمارت کے سامنے ایک فوارہ بنوا دیا، پانی پینے کیلئے رخام کے مٹکے بھی نصب کئے،

آٹھوین صدی ہجری مین جامع مین ۳۷۸ ستون تھے، جن مین سے "عمود مسجون" اور محراب کے دو ستون، اور مغربی دروازے کے ستونون کے متعلق عامۃ الناس مین عجیب و غریب خرافات پھیل گئے تھے جنکی بنا پر وہ لوگ ان کے ساتھ طرح طرح کی حرکتین کرتے تھے، وزارت اور دیوان اوقاف نے ان حرکات کے سدباب کیلئے مختلف زمانون مین ان ستونون کو لوہے کی چادر سے گھیر دیا،

۱۲۱۲ھ مین امیر مراد بک نے زر کثیر صرف کرکے اس مسجد کی دوبارہ تعمیر کی، اس کے بعد فرانسیسون نے مصر پر حملہ کیا اور اس سلسلہ مین جامع عمرو کی تخریب و انہدام کے جو جو واقعات رونما ہوئے وہ ارباب تاریخ سے پوشیدہ نہین ہین، ۱۳۱۲ھ مین دیوان اوقاف نے اس کی تھوڑی بہت دوبارہ

مصر کی اپریل سنہ ۱۸۸۱ء میں ایک انجمن "لجنۃ حفظ الآثار العربیہ" کے نام سے قائم ہوئی جو جامع عمرو کی تجدید و مرمت کی طرف متوجہ ہوئی لیکن اپنی مالی مجبوریون کی بنا پر کوئی نمایان خدمت انجام نہ دے سکی،

اب شاہ مصر نے اس طرف توجہ کی ہے، اور ان کا قصد مصمم ہے کہ اس مسجد کو اس کی اصلی شان و شوکت پر دوبارہ لے آئین، بلکہ ان کا یہ قصد ہے، کہ اس کی قدیم تعمیر مین بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے بعینہ قدیم عمارت دوبارہ قائم ہو جائے، تاکہ اس طرح مسلمانون کی ایک قدیم یادگار بھی باقی رہ سکے، چنانچہ شاہ مصر نے ان معمارون کے لئے تین انعامات کا اعلان کیا ہے جو ایسی تعمیر کرین کہ قدیم عمارت کا نقشہ دوبارہ قائم ہو جائے، پہلا انعام ۲۵۰ پونڈ دوسرا ۱۰۰ پونڈ اور تیسرا انعام ۵۰ پونڈ کا ہے،

جامع عمرو سے صرف اداے نماز کا کام نہین لیا گیا بلکہ یہ علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت کا ایک مرکز بھی تھی، اس مین سب سے پیشتر سنہ ۳۷ھ (سنہ ۶۵۷ء) مین سلیم بن عتر تجیبی وعظ کہا کرتے تھے پھر سنہ ۱۹۹ھ (سنہ ۸۱۴ء) مین جب امام شافعی مصر پہونچے تو انھین اس مین درس و تدریس کے لئے زاویہ ملے امام شافعی نے بھی انھی مین سے ایک زاویہ منتخب کر لیا، مقریزی کا بیان ہے کہ عبد الرحمن ابن الصائغ نے جامع مین درس و تدریس کے چالیس سے زیادہ حلقے پائے، یہ نظام مصر کی عام وبا سنہ ۷۴۹ھ (سنہ ۱۳۴۸ء) تک قائم رہا،

جب مصر مین حکومت فاطمیہ کا دور آیا تو خلیفہ فاطمی رمضان کے جمعون کی نماز چار مسجدون مین اس بنا پر پڑھنے لگا کہ جس مسجد مین خلیفہ نماز پڑھتا لوگ اسی مین دور دور سے آکر شریک ہوتے تھے، اس لئے اس نے رمضان کے پہلے جمعہ کی نماز مسجد قاہرہ دوسرے جمعہ کی جامع حاکم تیسرے کی جامع ابن طولون اور آخری جمعہ کی جامع عمرو بن العاص مین پڑھتا، اس کی اس تقسیم سے جامع عمرو کی رونق مین کمی آ گئی،

پھر شہر فسطاط کے برباد ہو جانے کے بعد جامع عمرو ایک صدی تک خالی پڑی رہی صرف رمضان کے آخری جمعہ کی نماز لوگ اسی مین پڑھا کرتے تھے،

جب محمد علی پاشا مصر پر حاکم ہوئے، تو انھون نے جمعہ کی نماز مثل سابق جامع عمرو مین پڑھنی شروع کر دی اور اس پر ایک وقف بھی کر دیا جس سے خطیب اور موذن کی تنخواہین وغیرہ نکلتی تھین،

اور اب چند دنون سے خود شاہ مصر جامع عمرو کی طرف متوجہ ہوئے ہین جس سے اس کی رونق مین اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، کیونکہ شاہ مصر کے ساتھ قاضی القضاۃ، شیخ الازہر، مفتی، علما، وزراء اور دیگر اعیان مصر و عامۃ الناس سب کے سب اسی مین نماز پڑھتے ہین،

امید ہے کہ شاہ مصر کی اس عنان توجہ سے مسلمانون کی ایک قدیم مقدس یادگار کا احیا ہو جائیگا

"الھلال مصر"

مدرسہ طبیہ مصر

جب محمد علی پاشا کے زمانہ مین مصری فوج جدید طریقون پر آراستہ ہو گئی تو انھون نے فوج مین ایک طبی جماعت کی ضرورت محسوس کی جو فوجی ضروریات مین کام آسکے،

اس مقصد کے حصول کے لئے یورپ سے چند ڈاکٹر طلب کئے گئے، سب سے پہلے ڈاکٹر کلاٹ بک فرانس سے سنہ ۱۸۲۵ء مین مصر پہونچے، ڈاکٹر محمد علی اور فوجی جراح کے افسر کے ساتھ کام کرنے لگے، لیکن اس طریقہ کار سے حالات سدھر نہ سکے اس لئے ڈاکٹر کلاٹ بک نے نظارت حربیہ کے سامنے فرانسیسی طرز عمل پر ایک طبی مجلس بنانے کی تحریک پیش کی جو فوجی شفاخانون کو بحسن و خوبی چلا سکے چنانچہ پانچ اشخاص کی ایک مجلس طبی مرتب ہوئی جو ڈاکٹر، جراحون اور کمپونڈرون

پر مشتمل تھی، اور اس مجلس کی اعانت کیلئے چند دیگر فرانسیسی ڈاکٹرون سے استدعا کی گئی، پھر فوجی شفاخانون کا ایک نظام مرتب کیا گیا جسمین مقامی اور منتقل ہونے والے دونون طرح کے ہسپتال تھے، اس ترتیب نظام کے بعد "شفاخانہ ابی زعبل" مقامی ہسپتال کے نمونہ کی حیثیت سے قائم کیا گیا،

ڈاکٹر گلاٹ کا بیان ہے کہ اس کے بعد انھون نے ایک طبی مدرسہ کی بنا ڈالنے کی تحریک پیش کی تاکہ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک کافی تعداد فوجی خدمات انجام دے سکے، محمد علی پاشا نے ڈاکٹر گلاٹ کی تحریک پر فروری ۱۸۲۷ء مین "شفاخانہ ابی زعبل" مین ایک مدرسہ طبیہ کے افتتاح کا حکم صادر کیا، اس کے ساتھ کمپونڈری کی تعلیم کے لئے، ایک اور مدرسہ کا الحاق کیا گیا، پھر دایہ کی تعلیم کے لئے دس سوڈانی عورتون کا داخلہ بھی عمل مین آیا، اور ان کے ساتھ دو حرم کی دایان بھی داخل کی گئین تاکہ وہ دونون اس خاص درجہ مین فن ڈاکٹری اور سرجری کی تعلیم حاصل کر سکین، جو ۱۸۳۲ء مین کھولا گیا تھا،

مدرسہ مین سو از ہری طالب علمون کا داخلہ ہوا اور ان طالب علمون کی تمام ضروریات زندگی کی کفالت وسیع پیمانہ پر منظور کی گئی، ان کے طریقہ تعلیم کا ایک نہایت مکمل پروگرام تیار کیا گیا، دس دس طالب علمون کی ایک جماعت بنائی گئی جو ہر ایک پروفیسر کے سپرد ہوئی،

اسی طرح کمپونڈری کے اسکول کیلئے چودہ پندرہ سال کے بچون کا داخلہ منظور کیا گیا، انھین پہلے مبادی حساب ہندسہ، ہیئت اور تاریخ کی تعلیم دیجاتی اس کے بعد کمپونڈری پڑھائی جاتی،

پھر کالج پانچ برس کے بعد اس شفاخانہ سے منتقل ہو کر "قصر عینی" مین آگیا اور آج تک اسی مین قائم ہے، آج سے کچھ دن پیشتر حکومت نے اسے "جزیرۃ الروضہ" مین منتقل کرنے کا اعلان کیا تھا، اور اس لئے کچھ ضروری سامان بھی کر لئے گئے تھے کہ یکایک یہ ارادہ فسخ کر دیا گیا، پھر یہ تجویز

پاس ہوئی ہے کہ اس کے لئے "عباسیہ" مین عمارت تعمیر کی جائے، قیام مدرسہ کے بعد اس کے سامنے دو اہم مسئلے پیش ہوئے ایک زبان کا مسئلہ اور دوسرا تشریح اجسام کا، ڈاکٹر گلاٹ نے نہایت ہوشمندی سے یہ دونون مسائل طے کر دیئے، زبان کا مسئلہ یون حل ہوا کہ ہر یورپین پروفیسر کے لئے ایک ایک مترجم مقرر ہوا، پروفیسر پہلے اس مترجم کو اپنا لکچر سناتا اور سمجھاتا، پھر دونون طلبہ کے سامنے آتے اور مترجمین ایک ایک جملہ کا ترجمہ عربی مین کرتے جاتے جسے طلبہ اپنی کاپیون پر نقل کرتے جاتے،

پھر تشریح اجسام کا مسئلہ علماء کبار کے فتوٰی جواز سے حل ہوا، ابتدا مین تشریح کی تعلیم خفیہ طریقون سے دیجاتی رہی، جب ان طلبہ کو مذہبی حیثیت سے کامل اطمینان ہو گیا تو اس کی تعلیم کھلے بندون جاری ہو گئی،

ڈاکٹر گلاٹ کے عہد مین کالج کا نصاب تعلیم یہ تھا،

(۱) طبعیات، کیمسٹری اور نباتات کے اصول، (۲) علم التشریح، (۳) آپریشن، (۴) پتھالوجی یعنی علم ترکیب الادویہ، وطریقہ مطب (۵) مادہ طبیہ (۶) حفظان صحت وطب شرعی، (۷) کمپونڈری،

دایہ کے زیر درس ذیل کے علوم تھے،

(۱) قواعد زبان عربی، (۲) فن تولید، (۳) حاملہ، زچہ اور چھوٹے بچون کی نگہبانی کے طریقے (۴) مخصوص امراض نسوانی کا علاج (۵) آپریشن کے مبادی (۶) پچھنا لگانا اور چیچک کے ٹیکے لگانا، (۷) ان دوائیون کا علم جو روزمرہ استعمال مین رہتی ہین،

مدرسہ کے بجٹ اور طلبہ کی تعداد کی تفصیل یہ ہے :-

۱۸۳۹ء مین (محمد علی پاشا کا آخری زمانہ) مدرسہ کا بجٹ ۹،۴۲۷ پونڈ تھا، طلبہ ۲۹۶، اساتذہ ۲۴،

اور خدام ١٠١ تھے،

عباس اول کے زمانہ مین بجٹ ٣٨١٠ پونڈ اور طلبہ ١٢٦ تھے سعید پاشا کے زمانہ مین طلبہ کی تعداد گھٹ کر ٩٧ ہو گئی، پھر ١٨٦٣ء سے ١٩١٤ء تک طلبہ کی تعداد ٥٠ سے ١٠٠ اور ١٠٠ سے ٢٠٠ تک گھٹتی بڑھتی رہی،

ذیل مین ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے ١٩١٣ء سے ١٩٢٢ء تک کے ہر سال کے طلبہ اور فارغ التحصیل کی مجموعی تعداد معلوم ہوگی،

	ڈاکٹری		کمپونڈری	
سنہ	طلبہ	فارغ التحصیل	طلبہ	فارغ التحصیل
١٩١٣	٢٤٤	٢٦	١٤	٠
١٩١٤	٢٣٨	٣١	٢٠	٢٠
١٩١٥	٢٣٧	٢٦	٢٦	٢
١٩١٦	٢٦٦	٢٧	٣١	٥
١٩١٧	٢٦١	٣٩	٣١	٩
١٩١٨	٢٣٠	٢٤	٣٠	١٠
١٩١٩	٢٣٢	٤٢	٣٦	٦
١٩٢٠	٢٣٤	٦	٣٢	١١
١٩٢١	٢٦٨	٥٠	٣٩	٠
١٩٢٢	٣٢٩	٠	٠	٠

خدیو اسمٰعیل کے زمانہ سے ١٩٠٠ء تک دایہ کی تعلیم حاصل کرنے والی عورتون کی تعداد ٢٠-٣٥ کے درمیان رہی،

اخبار علمیہ

ڈاک خانے کے ٹکٹ اس محکمہ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہین اور عام اشخاص کا خیال ہے کہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ محکمہ کو بتا دیا جائے کہ مکتوب کا خرچ ادا کر دیا گیا ہے، لیکن گذشتہ صدی کے آخری حصہ سے ان ٹکٹون سے دوسرے کام بھی لئے جانے لگے ہین اور ان سے اس محکمہ اور حکومت کو بہت زیادہ فوائد حاصل ہوئے ہین، بعض ٹکٹون مین قدیم تصاویر، بہترین مضمون کی تصاویر شائع کر کے ان کو عام ہاتھون تک پہنچا دیا، فرانس نے اپنے یہان کے سالانہ کھیلون کو مقبول عام بنانے کے لئے ان کے مناظر کے ٹکٹ شائع کئے، لیکن ان سب سے بڑھکر ان ٹکٹون سے جو فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ اشتہار کا ہے، سب سے پہلے امریکہ نے اسکی ابتدا کی اور سوئیزرلینڈ نے اپنے ٹکٹون مین اپنے حسین ملک کے مختلف مناظر کو ٹکٹون کے ذریعہ تمام دنیا مین پھیلا کر اس کو ایک بین الاقوامی آرام و آسائش گاہ بنا دیا، اب اس محکمہ نے کارخانون سے بھی ٹکٹ کے لئے اشتہارات لینا شروع کئے ہین اور اس طرح ہزارون روپئے مفت مین آجاتے ہین،

انگلستان کی مردم شماری کے متعلق بعض نہایت دلچسپ اعداد و شمار شائع ہوئے ہین، اور ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بے جوڑ شادیان صرف ہندوستان ہی کے لیے لعنت نہین ہین بلکہ متمدن یورپ بھی اس مین گرفتار ہے،

سب سے زیادہ معمر جوڑے تین ہین، (١) ٩٨ سال کا شوہر اور ٩٥ سال کی بیوی ہے اور دونون کی عمر کا مجموعہ ١٩٣ ہے، (٢) شوہر ٩٧ سال اور بیوی ٩٥ سال، (٣) شوہر ٩٩ سال بیوی

۲۰۹ سال؛

(۲) سب سے کمسن جوڑے بھی تین ہین، ان مین شوہر اور بیوی دونون ۱۶، ۱۶ سال کے ہین، سب سے معمر شوہر کی عمر ۹۰ سال ہے اور بیوی کی ۹۰ سال ہے، سب سے کمسن شوہر کا سن ۱۵ سال ہے اور سب سے کمسن بیوی کی عمر بھی ۱۵ سال ہے، لیکن ان سب سے زیادہ دلچسپ وہ شادیان ہین جو عمرون کی تفاوت کو ظاہر کرتی ہین،

شوہر ۲۰ سال بیوی ۹۰ سال شوہر ۲ سال بیوی ۵۹ سال،

" ۶۸ " " ۱۵ " " ۸۱ " " ۱۸ "

" ۸۳ " " ۲۰ " " ۸۸ " " ۲۲ "

یورپین خواتین کا ذوق سیاحت اور شوق تحقیق ہمارے مردون کے لئے قابل عبرت ہے، حال ہی مین لارڈ اور فورڈ کی صاحبزادی ڈارتھی ملز نے کردستان، عراق، وغیرہ کا طویل سفر صرف اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہ وہان جاکر یزیدی فرقہ کے حالات کا مطالعہ کرین، یزیدی حلب سے پانچ سو میل فاصلہ پر رہتے ہین ان کے اعتقادات مین عہد نامۂ قدیم کی اکثر باتین موجود ہین، یزیدی مور کی مورت کی پرستش کرتے ہین، ان کا خیال ہے کہ شیطان جب جنت سے نکالا گیا تو اس نے مور کی صورت اختیار کرلی تھی،

انسان کے تجربات جیسے جیسے بڑھتے جاتے ہین، وس کے خیالات مین بھی تبدیلی ہوتی جاتی ہے، ڈاکٹرون کا عام خیال یہ تھا کہ ایک مرض کا بہترین علاج وہی شخص کرسکتا ہے جو اس مرض کا مخصوص ماہر ہو، لیکن اب یہ نظریہ باقی رہتا نظر نہین آتا، امریکہ کے ڈاکٹرون کی رائے ہے،

کہ ایک عضو کی بیماری کے معنی یہ ہین کہ تمام دوسرے اعضا بھی اس سے کم و بیش متاثر ہوتے ہین، اسلئے ایک مریض کے لیے ضروری ہے کہ اوسے ہر مرض و ہر عضو کے ماہر خصوصی کی توجہ حاصل ہو، چنانچہ انھون نے اسی خیال کو مد نظر رکھکر یہ طے کیا ہے کہ اب ہر مرض کا شفاخانہ الگ الگ نہ ہو بلکہ ایک ہی جگہ ہو، تاکہ مریض کو تمام ماہرین کی متفقہ مدد مل سکے، اس لئے انھون نے واشنگٹن مین ایک نیا عظیم الشان اسپتال بنایا ہے، اس مین ان کا کالج بھی ہے اور ہر مرض کے تحقیقات کا کام بھی ہوتا ہے،

متمدن مغرب مین امریکہ کو دولت، علم، تجارت، تہذیب، وغیرہ کے لئے خاص امتیاز حاصل ہے، یورپ کا شاید ہی کوئی ملک ہوگا جسکی گردن اس کے بار قرض سے جھکی ہوئی نہ ہو لیکن وہان کی اخلاقی حالت تمام دنیا سے بدتر ہے، اس کا ثبوت وہان کے ایک ذمہ دار انشا پرداز کے قلم کی چند سطرین وینگی وہ لکھتا ہے کہ "ہم اہل امریکہ اپنی زندگی کے چند حالات سے صحیح طور پر خائف ہین جہان ایک طرف ہماری دولت اور ہمارا اطمینان تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہے وہین ہمارے جرائم کی تعداد متمدن دنیا کی تاریخ مین اپنی مثال نہین رکھتی، اور عہد موجودہ کے ہر ملک سے بہت زیادہ ہے، سنہ ۱۹۲۱ء مین تمام انگلستان مین ۹۰ قتل ہوئے لیکن امریکہ کے صرف ایک شہر نیویارک مین انکی تعداد ۲۶۲ تھی اسی طرح گذشتہ سال لندن مین ۲۰ قتل ہوئے اور ان کے مقابلہ مین نیویارک کی تعداد ۲۶۲ ہے ..... "

کیا اب بھی ہم اس تمدن کے برکات کی بارش کے متمنی رہین گے،

ہوائی جہازون کے ذریعہ جو تصاویر لیجاتی تھین وہ صاف نہین ہوتی تھین اور نہ ان سے نقشہ صحیح طور سے بنایا جاسکتا تھا، لیکن اب بعض موجدین نے اس مشکل کو بھی حل کر لیا ہے اور ہر قسم کی

صیح نقادیر لیجا سکتی ہین ،

ماہرین ارضیات کا خیال تھا کہ جس وقت چٹانین ابتداءً بننا شروع ہوئی ہین، اس وقت دنیا مین کوئی جاندار شے موجود نہ تھی، مگر اب ڈاکٹر جان ڈبلو، گرو ڑ نے دعویٰ کیا ہے کہ اس وقت بھی جاندار مخلوق تھی، انھون نے تجربہ اور مشاہدہ سے بتا دیا کہ قدیم ترین پتھرون مین وہ جراثیم موجود ہین جو حیاتی مخلوق کی ابتدائی صورت تھی ،

انسان اندنون کیڑون کی دنیا مین رہتا ہے کہ اس وقت اُنکی کم از کم ۳ لاکھ قسمین موجود ہین، جب انسان نے کھیتی شروع کی تو اسے ٹڈیون سے واسطہ پڑا، وہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ آتی ہین کہ آفتاب چھپ جاتا ہے اور ہر زمین سے اگی ہوئی چیز اس طرح تباہ کرتی ہین کہ گویا کسی نے ایک بڑی مشعل سے سب کو جھلسا دیا، جمہوریہ ارجنٹائن مین تو ہر وقت ان کے حملہ کا خطرہ رہتا ہے اسی لیے وہان ایک خاص محکمہ انکی مدافعت کے لیے قائم ہے، گذشتہ سال اس محکمہ نے ۳۵۰۰۰ ٹن ٹڈیون کا شکار کیا تھا، لیکن قدرت اس سے بھی بڑی مہربان ہے اور اب ایک ایسے کیڑے کا پتہ چلایا ہے جو اڑ کر ٹڈیون تک پہنچتا ہے اس کے پرون کے اندر انڈے دیتا ہے اس سے جو بچے نکلتے ہین ان مین اتنا زہر ہوتا ہے کہ ان کے کاٹنے سے ہی ٹڈی فوراً مر جاتی ہے اور اس طرح ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے ،

امریکہ مین آتشزدگی سے نقصانات کا سلسلہ برابر بڑھ رہا ہے اور ۲۰ سال کے اندر تقریباً تگنا ہو گیا ہے ،

سنہ ۱۹۰۳ء ۱۲۵۳۰۲۱۵۵ ڈالر ، سنہ ۱۹۱۳ء ۲۰۲۷۴۳۵۵۰ ڈالر ، سنہ ۱۹۲۳ء ۵۳۵۳۷۲۷۸۲ ڈالر

ادبیات

خیالاتِ عزیز

جناب عزیز لکھنوی ،

دیکھنا اوس کی طرف بیسود ہے — رنگ رخسار آفتاب آلود ہے

تاب کس کو داستانِ دل سنے — حرف حرف عشق خون آلود ہے

ایک اک ذرہ پہ عبرت کی نظر — یہ نشانِ ہستیِ بے بود ہے

بوئے خون آتی ہے نالون سے مرے — گفتگوئے دل جگر آلود ہے

انحصار سرزمین کعبہ کیا، — ایک اک ذرہ یہان مسجود ہے

کوچۂ قاتل مین اللہ رے ہجوم — ہر طرف سے راستہ مسدود ہے

حسن ہی اک شعلۂ پر پیچ و خم — میری ہستی ایک موج دود ہے

ظلم اتنے انتہا جس کی نہین ، — پھر بھی اوس سے دل مرا خوشنود ہے

خاکِ ارباب وفا سے محترز — دیکھ لے دامن غبار آلود ہے

بے مدد دل سے دماغی کام مین — بیخبر دنیا تری محدود ہے

محفل دنیائے فانی رات دن — زمزمہ سنج ہو الموجود ہے ،

سانس کا باقی ہے جبتک سلسلہ — عافیت دل کے لیے مفقود ہے

تو ملجائے تو پھر کیا چاہیئے — اور کیا تیرے سوا مقصود ہے

تنگ ہے ملنا ترا کیا قبل موت خلقتِ دنیا مگر بے سود ہے؟
کشتۂ صد تیغ ناکامی عزیز شکر ہے حاسد نہین محسود ہے

جذباتِ ہادی،

جناب سید محمد ہادی مچھلی شہری وکیل علی گڈھ،

ہو بھلا کیونکر زبان کو حوصلہ تقریر کا زندگی میری ہے نقشہ عالمِ تصویر کا
رائیگان ثابت ہوئی فرہاد کی ہر جد و جہد اک پیام مرگ ہر قطرہ تھا جوئے شیر کا
ایک دنیائے فراغت ہو وہی میرے لیے لوگ کہتے ہین جسے حلقہ مری زنجیر کا
خون دل ٹپکے نہ کیون بن بنکے اشک ابنساط زخم نے مدت مین منھ دیکھا ہے اسکے تیر کا
اعتبار جذب دل کے حوصلے تو دیکھیے دیکھتا ہون نقش پا اٹھ اٹھ کے ہر رہگیر کا
میرا ہر انداز ہے افسانۂ رنج فراق میری خاموشی مین بھی اک لطف ہے تقریر کا
اعتبار کاوشِ غم کا تماشا دیکھیے ہر نظر پر اسکی دھوکا تھا مجھے اک تیر کا
اب تو ہے ہر اشک سے ظاہر شکستِ دل کا رنگ اب تو ہے ہر آہ اک شکوہ مری تقدیر کا
رسم پابندی رہائی مین بھی کرتا ہون ادا خواب اکثر دیکھتا ہون خانۂ زنجیر کا
کون ہے میرے سوا دنیا مین ناکامِ حیات غم مجھی کو دیدیا اور ون کی بھی تقدیر کا
نیش و نوشِ زندگی دونون ہین اسکی ہاتھ مین مل رہیگا خیر جو کچھ ہے مری تقدیر کا
خوف رسوائی مجھے رہنے نہ دیتا چین سے خیر پورا ہو گیا لکھا مری تقدیر کا
ہے مری افتادگی کی بھی عجب مشکل مین جان دیکھتا رہتا ہون منھ مڑ مڑ کے ہر رہگیر کا
غم نصیبی کے تقاضون کا نتیجہ یہ ہوا وہ بھی آخر کرا اٹھے شکوہ مری تقدیر کا
مین تو ہادی کیلیے آیا تھا ازل سے عمر شمع میرا جینا بھی ہے اک دھوکا مری تقدیر کا

اوراقِ پارینہ

صمدنیات

از

مولوی سید مقبول احمد صاحب رضوی، ایم آر اے ایس، ایف آر ایس ایل،

(۹)

دیوانِ آفتاب، یا نوائے بے نوا

ظہیر الدین بابر سے لیکر ابو ظفر بہادر شاہ تک تمام مغل سلاطین صاحب سیف و قلم رہے ہین جنکی جنگ آزمائی و ملک گیری و معدلت گستری کی شاندار یادگارون کے ساتھ ساتھ، ان کی انشا پردازی، معجز نگاری و تاریخ نویسی کے لازوال کارنامون سے صفحات عالم، لامال ہین،

ابو المظفر مجاہد الدین محمد شاہ عالم بادشاہ اس زینہ کی سولھوین سیڑھی پر تھا جس نقطۂ خاک پر بیٹھ کر ذیل کی غزل اس نے لکھی تھی اسی کے ایک گوشہ (صمدن ضلع فرخ آباد) مین وہ آج تک محفوظ ہے، اس کا کلام کچھ تو شعرا کے بعض تذکرون مین پایا جاتا ہے اور کچھ اشعار پرانے لوگون کی زبان پر باقی ہین، لیکن کتب خانہ صمدن کو ان بہت سے (فارسی و ریختہ کے) کلمات خسروانہ کی نگہداشت و حضانت کا فخر و شرف حاصل ہے جو طبع و اشاعت کی گرانباری سے اب تک آزاد و محفوظ چلے آتے ہین،

کہتے ہین کہ انسان کی زبان دل کا آئینہ ہے اور رازہائے فطرت کی بہترین ترجمان، شاہ عالم کی اکثر غزلین اسکی سرگذشت مظلومی اور پر مصائب سوانح حیات[1] کی بولتی ہوئی تصویرین ہین، اسکی یہ رباعی زمانۂ شہزادگی

[1] بعض ضروری تاریخین اور واقعات، ولادت ۱۸ ذیقعدہ ۱۱۴۰ھ (۱۵ جون ۱۷۲۸ء) ، دہلی سے نکلنا ۱۱۷۲ھ ۱۷۵۸ء

کی مشہور ہے ؎

صبح اُٹھ جام سے گذرتی ہے ، شب دلآرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے ، اب تو آرام سے گذرتی ہے

انحطاط شباب تھا کہ اسکو اپنے باپ (عزیز الدین عالمگیر ابن جہاندار شاہ) کے سایۂ شفقت اور
مائے زینت محل (رانی بلال کنور) کی آغوش عاطفت سے جدا اور شاہ جہان آباد کیسے مہد عیش و عشرت سے
دور ہونا پڑا، سہارن پور، فرخ آباد، بدایون، بریلی، لکھنؤ کی سرزمین نے اسکی آوارہ گردی و خاک بیزی کے لیے
دامن پھیلا دیے، عظیم آباد پٹنہ میں میر جعفر کے غاشیۂ دولت یا خوان نعمت سے زلہ ربائی کر رہا تھا کہ یکایک تقدیر
آتی نے پلٹا کھایا، اور ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء میں عالمگیر ثانی نے اپنے وزیر عماد الملک کے ہاتھون دلی مین جامۂ خونین زیب
تن کیا، شاہزادہ نے جواب تک عالی گوہر تھا دہین (عظیم آباد مین) اپنے بادشاہ ہونے اور شاہ عالم لقب اختیار
کرنے کا اعلان کیا، پھر عمداً یا بادل ناخواستہ نواب شجاع الدولہ وزیر کی قیادت و سرکردگی مین ایسٹ انڈیا
کمپنی سے بکسر مین معرکہ آرائی کی اور شکست کھائی اس بزنسیت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ بیچارے کو اپنے فریق
مقابل کے ایک رکن یعنی مظفر و منصور میجر منرو کو شقہ تہنیت قلم خاص سے لکھنا پڑا، اوسی فتحمند فوج کے پیچھے پیچھے
وہ کمال الحاح و القیام کے ساتھ الہ آباد آیا اور دس گیارہ سال تک کمپنی کا (چوبیس لاکھ سالانہ کا) پنشن خوار
بلکہ (حقیقتاً) کرنیل اسمتھ کی قید و بند مین (قلعہ الہ آباد مین) گرفتار رہا، تین سرسبز و سیر محاصل صوبے (بنگال، بہار،

۴ اعلان تخت نشینی ۴ر جمادی الاول ۱۱۷۳ھ (۲۵ر دسمبر ۱۷۵۹ء) جنگ بکسر ۶ر ربیع الثانی ۱۱۷۸ھ (۲۳ر اکتوبر ۱۷۶۴ء)۔
عطائے سند دیوانی بنگال و بہار و اڑیسہ ۲۴ر صفر ۱۱۷۹ھ (۱۲ر اگست ۱۷۶۵ء) قیام الہ آباد تا ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱ء۔ داخلہ دہلی عید رمضان ۱۱۸۵ھ
(۶ر جنوری ۱۷۷۲ء)۔ گرفتاری بدست غلام قادر خان و معزولی شاہ عالم و تخت نشینی شاہزادہ بیدار بخت ابن احمد شاہ ۲۶ر شوال
۱۲۰۲ھ (۳۰ر جولائی ۱۷۸۸ء)۔ کور شدن شاہ عالم ۶ر ذیقعدہ ۱۲۰۲ھ (۱۲ر اگست ۱۷۸۸ء)۔ باز تخت نشینی بامداد مرہٹہ
ذی حجہ ۱۲۰۲ھ (ستمبر ۱۷۸۸ء)

اڈریسہ) جنکی آبادی تین کروڑ نفوس اور سالانہ آمدنی چار کروڑ روپیہ تھی ۱۱۷۹ھ ۱۷۶۵ء مین انگریزون کے نذر کئے
تو اسیر حبس سے برائے نام آزادی مرحمت ہوئی سلطنت کے بارھوین سال یعنی ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱ء مین اس نے جوگم
کی دستگیری و مساعدت سے خود کو تخت پر متمکن پایا، اس خواب مسرت سے آنکھ بھی کھلنے نہین پائی تھی کہ
وہ مرہٹون کے سخت گیر و استخوان شکن پنجہ مین اسیر ہو گیا جنکی ترکتاز کا اس زمانہ مین تقریباً سارا ہندوستان
جولانگاہ بنا ہوا تھا اور تیمور صاحب قران کے کم ہمت و کوتاہ عقل خلاف کے تاج و سریر جنکی دستبرد سے
پامال ہو رہے تھے شامت زدہ زندگی کی یہ منزل کسی نہ کسی طرح ختم پر آئی تو بدنصیب پر ایک اور طاقتور اور
غارتگر گروہ نے دست بیداد دراز کیا، یہ افاغنہ و ابدالی تھے جو بیگمات علیا اور مخدرات عظمی کے زیور اور
قیمتی ملبوسات اور محل قلعہ کا تمام نیچا کھچا نقرئی طلائی ساز و سامان بھی لوٹ لے گئے، خود بادشاہ کے سامنے
جوان بخت جہاندار شاہ ولیعہد، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا اکبر شاہزادون کو لاٹھیون سے زد و کوب کرکے
قریب ہلاکت پہنچا دیا، ایک سو اسی (۱۸۰) محلات کی نہایت بیرحمی و بیدردی کے ساتھ بے حرمتی اور
مارپیٹ کی، بیدار بخت کو شاہجہان کے تخت پر بٹھایا، چلتے چلاتے ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۸ء مین غلام قادر خان روہیلہ نے
خنجر سے معمر و خزان رسیدہ بادشاہ کو بصارت کی دولت سے بھی محروم کرتا گیا، شاہ عالم کی زارنالیان اور
اعوان و انصار (انگریزون، مرہٹون وغیرہما) کی طرف دست تظلم بڑھا کر فریادرسی کے لئے بلانا اوس کی
دردانگیز شاعری کا زندہ جادو ثابت ہوئین، خدا خدا کرکے مرہٹون نے بادشاہ کو اس کنج قفس سے جس مین
نابینا کرنے کے بعد غلام قادر نے بند کر دیا تھا رہائی دی، پھر جب انگریزون نے مرہٹون کی بڑھتی ہوئی طاقت
کو رد کا اور انکی ملک گیری کی ہوس کو ستمبر ۱۸۰۳ء مین ختم کیا، تو جنرل لارڈ لیک کے ایک گوشۂ چشم مہر و التفات
سے دلی کے تخت پر شاہ عالم پھر ایک بار بٹھا دیا گیا، لیکن کیفیت یہ تھی کہ وہ بادشاہ جس کے پردادا کے قبضہ
مین صوبجات بنگ و دکن و قندھار وغیرہ ملا کر بیس صوبے اور ایک سو نوے سرکارین تھین اس کے

نسبت یہ مشہور تھا کہ "عملداری شاہ عالم از دہلی تا پالم"، حویلی پالم دہلی سے پہلا اسٹیشن ہے،

اس کے گذارے کے لیے کسی وقت چھبیس لاکھ سالانہ ملتا تھا معقول ملک بھی چھوڑ دیا گیا تھا جس کو وہ اپنی بے اعتدالی اندیشی یا سوء تدبیر سے کھو چکا تھا، ۱۸۰۳ء مین شاہی خاندان مین (شاہ عالم کے ۱۷ لڑکے اور لڑکیان شمار و قلمبند ہوئے جنکی تنخواہ پندرہ روپیہ ماہوار فی کس مرہٹون نے مقرر کی اور خود بدولت و اقبال کے اخراجات کے لئے سترہ ہزار ماہانہ، مرہٹون کے دست اقتدار سے نکالنے کے بعد سرکار انگریزی نے بارہ لاکھ سالانہ پنشن مقرر کردی تھی،

۷ رمضان المبارک ۱۲۲۱ھ (۱۹ نومبر ۱۸۰۶ء) کو اسّی سال نو ماہ بیس یوم کی عمر مین اڑتالیس برس سلطنت کرنے کے بعد شاہ عالم نے اس دنیائے دنی کو خیرباد کہا اور عالم آشوب انقلابات و صعوبات سے ہمیشہ کے لیے رستگاری پائی، دہلی مین موتی مسجد کے پاس شاہ عالم بہادر شاہ کے مجھر کے متصل جوار مزار خواجہ قطب الدین بختیار مین پیوند خاک ہوا،

یہ بھی خیال رکھنے کی بات ہے کہ اس کے زمانہ مین انگریزون نے انتظامات جہانبانی و امور عدالت مین اہم و قابل یادگار اصلاحات کی تھین، ناک، کان، ہاتھ کاٹنے کا دستور جو مرہٹون کے وقت مین تھا یک قلم بند کر دیا گیا، قید و جرمانہ کی سزائین اس کے بجائے قائم ہوئین، ایک عضو کاٹنے کے بدلے سات برس اور دونون ہاتھ کاٹے جانے کے عوض چودہ سال کی قید مقرر کی،

شاہ عالم کو سخن اور اہل سخن سے بنہایت الفت تھی، تاج و تخت پانے کے ساتھ ہی تمام شعرائے دہلی اس کے گرد مجتمع ہو گئے تھے، مرزا[1] جعفر علی حسرت اس گروہ کے چشم و دماغ تھے، انھون نے افاغنہ کے حملہ اور پایۂ تخت کے تاخت و تاراج ہونے کے تمام واقعات کو اپنی آنکھون سے دیکھا اور اس کا پردرد مرثیہ نظم کیا تھا، خیر الدین الہ آبادی نے بھی انھی مصائب و آلام سے متاثر ہو کر خاندان تیموریہ کے عبرت خیز حالات کو

[1] لکھنوی تھے، حکیم ابو الخیر دہلوی کے خلف رشید، اور سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد، شیخ قلندر بخش جرأت، انکے خواجہ تاش تھے، بالآخر دنیا ترک کردی تھی،

"عبرت نامہ" کے نام سے قلمبند کیا ہے،

زیب دہ اورنگ و دیہیم ہونے کے بعد عالی گوہر نے "آفتاب" تخلص اختیار کیا اور اقلیم سخن پر بھی فرمانروا ہو کر چمکا تھا،

انہ واست

کہو بلبل کو لیجاوے چمن سے آشیان اپنا
پڑھے گر صد ہزار افسون، نہ ہوگا باغبان اپنا

اُٹھا کر لیچلی بلبل چمن سے آشیان اپنا
کہا گل سے کہ ہے یہ بے وفا ہے مکان اپنا"

ہوئی جب باغ سے رخصت، کہا رو رو کے قسمت نے
لکھا تھا یون کہ فصل گل مین چھوڑین خانمان اپنا

ارے صیاد! یون چاہے تو جی اور جان سے حاضر
ولیکن طوق قمری کی طرح کر کے نشان اپنا

ذرا جلتا ہے جی اس بلبل بےکس کی غربت پر
کہ گل کے اسطرح پر یون لٹایا خانمان اپنا

چلی جب باغ سے بلبل لٹا کر خانمان اپنا
نچھوڑا ہائے بلبل نے چمن مین کچھ نشان اپنا

نہ تو نے گل کیا اپنا نہ بلبل! باغبان اپنا
چمن مین کس طرح سیتی بنایا خانمان اپنا

یہ حسرت رہگئی ہے کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغبان اپنا

الم کر اس طرح ردئی کہ رسوا ہو گئی بلبل
ڈوبایا ہائے انکھون نے تمامی خانمان اپنا

مگر دل سے بنا رکھنا علی گوہر سے پیارے کو
وہ حکم شاہی رکھتا تھا، دلے تھا مہربان اپنا

یہ دو غزلین زمانہ بادشاہی کی ہین

(۱)

عاجز ہون ترے ہاتھ سے کیا کام کرون مین
کو چاک گریبان، تجھے بدنام کرون مین

رم رکھتا ہے اے تند خو! اب گو کہ تو مجھ سے
پر دیکھ تو کیسا ہی تجھے رام کرون مین

ہے دور جہان مین مجھے سب شکوہ تجھی سے — کیون کچھ گلہ گردش ایّام کرون مین،

حیران ہون، ترے ہجر مین کس طرح سے پیارے! — شب روز کو اور صبح کو تین شام کرون مین

آدے جو تصرف مین مرے میکدہ ساقی — اک دم مین خمون کے خمین انعام کرون مین

مجھ کو شہ عالم کیا اس رب نے، نہ کیونکر

اللہ کا شکرانہ، اکرام کرون مین

(۲)

آنکھون مین ہی تصور صورت کا، دلربا کی — دل مین ادا کھبی ہے اس نازنین ادا کی

غنچہ دہن وہ میرا بولے ہے کب کسی سے — اُسنے جو ہین اشارت ہونٹھون مین مسکرا کی

آئینہ پانی پانی کیونکر نہ شرم سے ہو.. — دیکھی ہے اُسنے خوبی تجھ حُسن باصفا کی

تیرے لب و دہن کی حسرت سے ہی آگرد — غنچے کو دلفگاری، گل کو یہ سینہ چاکی

کرتے ہین کیا قیامت شاعر جو دے ہین نسبت — تجھ خوشخرام قد سے سرو شکستہ پا کی

باندھا جو بند تم نے مین اے نگار! سمجھا — کرکے بہانہ بر پا بندش لگی حنا کی

غارت کیا دل و دین، چشم سیہ نے اُنکی — ہے تو بتا جو کہئے، تقصیر تو تیا کی

مین چاہون تمکو پیارے تم اور سے لگاؤ — عہدہ برآئی کس سے، ہو ایسے افترا کی

روشن جہان نت رہ، اے آفتاب عالم!

عالم کی جان! مین نے تجھکو یہی دعا کی

ذیل کے اشعار وہ اشک خونین ہین جو شاعر کی چشمان کور کے بجاے، اسکے دل سے لہو کے قطرے بنکر ٹپکے تھے، ایسی ہی ایک نظم اردو مین بھی ہے،

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما — داد برباد سر و برگ جہان داری ما

آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم، — برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما

چشم ما کندہ شد از دست فلک بہتر شد — تا نہ بینیم کہ کند غیر جہان داری ما

داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد — کیست جز ذات مبرا کہ کند یاری ما

بود جان کاہ زر و مال جہان ہمچو مرض — دفع از فضل الٰہی شدہ بیماری ما

کردہ بودیم گناہے کہ سزایش دیدیم — ہست مصروف کہ بخشند گنہ گاری ما

کردہ سی سال نظارت کہ مراد او بیاد — زود تر یافتہ پاداش ستمگاری ما

عہد و پیمان بہ میان داد و نمودند دغا — مخلصان خوب نمودند وفاداری ما

شیر دادم افعی بچۂ را پروردم — عاقبت گشت مجوز گرفتاری ما

حق طفلان کہ بہ سی سال فراہم کردیم — کردہ تاراج و نمودند سبکساری ما

قوم مغلیہ و افغان ہمہ بازی دادند — لیکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما

این گدازادۂ ہمدان کہ بہ دوزخ برد — بانیِ جور و ستم شد بدل افگاری ما

گل محمد کہ ز مردان بہ شرارت کم نیست — چہ قدر کرد وکالت پئے آزاری ما

نامراد و سلیمان و بدل بیگ لعین — ہر سہ بستند کمر بہر گرفتاری ما

شاہ تیمور کہ دارد سر نسبت با من — زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما

مادھوجی سیندھیہ فرزند جگر بند من است — ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند — چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما

راجہ و راؤ و زمیندار امیر و چہ فقیر — حیف باشد کہ نسازند بہ غمخواری ما

نازنینان پری چہرہ کہ ہمدم بودند — نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

گرچہ ما از فلک امروز حوادث دیدیم — باز فردا دہد ایزد سرِ سرداری ما

مطبوعاتِ جدیدہ

زینت آسمان، مؤلفہ پروفیسر برکت علی صاحب ایم اے بی ایس سی و پروفیسر منہاج الدین صاحب بی اے ایم اس سی، یہ فن ہیئت مین ہے اس مین خطہ پنجاب و شمال ہند کو ملحوظ رکھکر انگریزی مہینون کی ترتیب پر ستارون کے بارہ نقشے دیئے گئے ہین، جنکے ذریعہ سے ہر ماہ مین نظر آنے والے ستارے پہچانے جا سکتے ہین، اور نصف النہار کے اردگرد جو مجمع النجوم ہین انکی ہر نقشہ کے مقابل کے صفحون پر تشریح و توضیح بھی کیگئی ہے یہ امر قابل مسرت ہے کہ ستارون کے لیے وہی نام منتخب کئے گئے ہین جو عربی علم ہیئت مین ہین، عبارت صاف اور طرز بیان سلجھا ہے، ان علوم پر ہماری زبان مین شاذ و نادر ہی کتابین لکھی جاتی ہین، اسلیے مؤلفین ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، اور ہمدردانِ اردو کو انکی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، تقطیع کلان حجم ۳۲ صفحے، کتابت و طباعت اچھی ہے، کاغذ متوسط درجہ کا ہے مؤلفین سے اسلامیہ کالج پشاور کے پتہ سے مل سکتی ہے،

سبزی ترکاری، مصنفہ جناب غلام محمد خانصاحب ایل، اے، جی لکچرر اگریکلچرل کالج لائل پور، جناب مصنف نے فن زراعت پر اپنی تصنیفات کا سلسلہ جاری کیا ہے یہ اس سلسلہ کا دوسرا نمبر ہے، اس مین مختلف ترکاریون مین سے ہر ترکاری کے متعلق مستقل باب قائم کرکے ہر ایک کے متعلق نوعیت زمین، وقت کاشت، طریقہ کاشت وغیرہ بتائے ہین، جناب مصنف ادائے مفہوم مین ایک حد تک کامیاب ہوئے ہین، لیکن کتاب کے اکثر مقامات پر فن زراعت کی ہندوستانی یا پنجابی بہت سی اصطلاحین آگئی ہین، ضرورت تھی کہ ان کی توسین مین یا حاشیہ پر تشریح کردیجاتی، یا آخر مین تشریحی فہرست بڑھائی جاتی، تاکہ عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے، چھوٹی تقطیع، حجم ۰۰ صفحے، کاغذ معمولی ہے مصنف سے پنجاب

اگریکلچرل کالج لائل پور کے پتہ سے طلب کیجاسکتی ہے،

نالۂ مشیر و کلام مشیر، یہ دونون جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر کے کلام کے مجموعے ہین، نالۂ مشیر کی اکثر غزلین خطۂ کشمیر کی سیر و تفریح کے وقت قلم سے نکلی ہین، اس لیے ان مین قدرتی مناظر اور ان سے لطف اندوزی کی جھلک فطری طور پر بہت زیادہ نمایان ہے، ابتدا مین جناب قدوائی صاحب کا اڈیٹر صاحب الناظر کے نام بھیجا ہوا ایک طویل خط بھی منسلک ہے، جس مین کشمیر کے فطری مناظر کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور دوسرے مجموعہ "کلام مشیر" کی اکثر غزلین وطن سے دور افتادہ سرزمین یورپ مین بیٹھکر لکھی گئی ہین، اسلیے وطنیت کے جذبات نمایان ہین، اور چونکہ اسکی اکثر غزلین اس وقت کی ہین جب کہ دنیا مین ہنگامۂ دار و گیر جنگ برپا تھا، اسلئے محبت اسلام و خدمت اسلام کی امنگین بھی نظر آتی ہین، شیخ صاحب "اتحاد اسلامی" تحریک کے مشہور مبلغ ہین اسلیے بھی یہ چیزین ان کے کلام مین ہونی چاہیے، شیخ صاحب طبعاً شاعر نہین ہین، اس لیے شاعری کے محاسن و معائب سے قطع نظر کرکے ان کے خیالات سے فائدہ اٹھانا چاہیے، ضخامت علی الترتیب ۱۹۲ و ۸۰، تقطیع چھوٹی کاغذ معمولی اور کتابت و طباعت متوسط درجہ کی ہے پتہ: جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا گدیہ ضلع بارہ بنکی،

پیمانِ وفا، جناب ایم اسلم صاحب نے تاریخی واقعات بچون کے پڑھنے کے لائق قصہ کے پیرایہ مین لکھنا شروع کیا ہے یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، پیمان وفا کا قصہ سبق آموز اور دلچسپ ہے، طرز ادا بھی صاف ہے، لیکن جناب مؤلف کو زبان کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے، جیساکہ "ساربان" پر تبصرہ کرتے ہوئے توجہ دلائی جا چکی ہے، خصوصاً "نے" کا استعمال بہت زیادہ قابل لحاظ ہے، مثلاً "عالیشان مکان اس نے "رہائش" کے لیے بنوائے" "ہوئے" "تھے" "جن مین لوگون" نے "ان کھیلون مین خاص طور پر شریک ہوکر حصہ لینا" "ہوتا" "بادشاہ" نے "درباری سفید لباس" "پہنا ہوا تھا"

حجم ۴۶ صفحے کاغذ اچھا ہے، کتابت و طباعت متوسط ہے، قیمت ۵ رتبہ: نسیم بک ڈپو بازار دولت خانہ لاہور

روزنامچہ، یہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے روزنامچہ کا گویا دوسرا حصہ ہے، دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء سے دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء تک کے سوانح وحالات پر مشتمل ہے جنمین زیادہ تر خانگی اور پرائیوٹ حالات ہین، تاہم اس سے خواجہ صاحب کی پبلک لائف کا بھی تھوڑا سا خاکہ کھنچتا ہے اور ان کے مذہبی معتقدات کا بھی اظہار ہوتا ہے، اس سلسلہ مین خواجہ صاحب کے خواب جنمین سے اکثر "مذہبی" اثر مین ڈوبے ہوتے ہین، وہ بہت زیادہ دلچسپ ہین، روزانہ حالات کے بیان مین بہت سے اشخاص کے تذکرے بھی آگئے ہین، جو آیندہ تاریخ نویس کو مدد دینگے، ضخامت ۴۴ ۴ معارف سائز کاغذ معمولی، سرورق بیل بوٹیون سے آراستہ ہے قیمت ۱ ؏ کا پتہ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی۔

سفرنامہ مظہری، جناب مظہر علیم صاحب انصاری رودولوی مرحوم چودہ برس تک آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن ترقی اردو کے عہدۂ سفارت پر مامور رہ چکے تھے، اس تقریب سے ان کو تمام ہندوستان کے دورہ کا موقع ملا تھا اور مسلمان شرفا اور قصبات کو انھون نے دیکھا تھا، وہ اپنی یادداشت لکھتے جاتے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے برادر کرم جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری مترجم تاریخ عرب نے ان کے روزنامچون کو منتخب کرکے "سفرنامہ مظہری" کے نام سے شائع کیا ہے، اس سفرنامہ مین حیدرآباد، اودھ، بہار اور صوبہ بنگال کے سفر کے حالات ہین، سفرنامہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم جن جن شہر اور قصبون مین گئے ان کی طویل فہرست معززین سے ملاقات اور مہمان نوازی کے حالات پر اکتفا کرنے کی بجائے اس مین وہان کی جغرافی، تاریخی، علمی، اقتصادی، تعلیمی اور معاشرتی حالات پر گہری نظر ڈالی ہے، اور ہر شہر و قصبہ کے ممتاز اشخاص کے حالات بھی قلمبند کئے ہین اسلئے اس سفرنامہ مین موجودہ اسلامی ہندوستان کے اکثر صوبون کی ہوبہو تصویر نظر آتی ہے، آیندہ مورخ کے لیے یہ کتاب بیش قیمت امداد ہوگی، آج بھی اسلامی ہندوستان کو جاننے کے لئے یہ عجیب سرمایہ ہے، ضخامت ۲۲۶ صفحے، معارف سائز، کاغذ معمولی اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت ۱۲؍ پتہ جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ناظم دینیات مسلم ہوسٹل یونیورسٹی الہ آباد،

دو آتشہ اس پرچ کے معارف مین تبصرہ کیا جا چکا ہے، پتہ کا اندراج باقی رہ گیا تھا، وہ یہ ہے، پتہ:- پروفیسر شیخ ۔۔۔

جلد شانزدہم	ماہ صفر سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء،	عدد سوم

مضامین